www.mohaddis.com

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

نومبر ۲۰۰۹ء

۵۳ حکومتِ الٰہیہ اور جمہوریت
۶۷ خرید وفروخت کے اسلامی اُصول
۱۰۵ 'ہیومن رائٹس' اور اسلام

مجلس التحقیق الاسلامی
مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
PAKISTAN

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

مِلّتِ اسلامیہ کا علمی و اِصلاحی مجلّہ

ماہنامہ **مُحدّث** لاہور پاکستان

مُدیرِ اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

مُدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

Only For SMS
0333-4213525

جلد ۴۱ / شمارہ ۱۱ —— ذوالقعدۃ ۱۴۳۰ھ —— نومبر ۲۰۰۹ء

فہرست مضامین

فکر و نظر

مسلم اُمہ کا زوال اور دورِ حاضر	ڈاکٹر حافظ حسن مدنی	۲

حدیث و سنت

سلام و مصافحہ کے اَحکام و مسائل	ڈاکٹر عبداللہ دامانوی	۹
صلہ رحمی اور مسلم معاشرہ	مرزا عمران حیدر	۱۳۲

تحقیق و تنقید

پرویز کے ایمان بالقرآن کی حقیقت	ڈاکٹر محمد دین قاسمی	۲۱
''اقبال: ایک پیغمبر کی حیثیت سے''	قاری محمد عزیر	۴۷

خلافت و جمہوریت

حکومتِ الٰہیہ اور جمہوریت	عطا محمد جنجوعہ	۵۳

معیشت و اقتصاد

خرید وفروخت کے زریں اسلامی اُصول	حافظ ذوالفقار علی	۶۷

اسلام اور مغرب

اسلامی بینکنگ کی شرعی حیثیت	ڈاکٹر محمد امین	۸۵
جدید اعتزال: ہیومن رائٹس اور اسلام	زاہد صدیق مغل	۱۰۵

یادِ رفتگان

پروفیسر عبدالجبار شاکر کا سانحہ ارتحال	مولانا یوسف انور	۱۴۳
اشاریہ مجلّہ المیزان، اسلام آباد	محمد حنیف شاہد	۱۴۹

زرِ سالانہ
=/۲۰۰ روپے
فی شمارہ =/۲۰ روپے

بیرونِ ملک
زرِ سالانہ
=/۲۰ ڈالر
فی شمارہ =/۲ ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700

☎ : 5866476
5866396
5839404

Email:
hhasan@wol.net.pk

Publisher:
Hafiz Abdul Rahman Madani

Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

Islamic Research Council

مُحدّث کتاب و سُنّت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلّی اتفاق ضروری نہیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر و نظر

مسلم اُمہ کا زوال اور دورِ حاضر!

دورِ حاضر میں ملتِ اسلامیہ گوناگوں مسائل سے دوچار ہے اور ملت کے اہم ترین ممالک پاکستان و افغانستان، عراق اور ایران کو سنگین بحرانوں کا سامنا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ہے کہ زوال کے اس تاریک تر دور میں بھی مسلمان بطورِ ملت کچھ کرنے کو آمادہ نہیں ہیں۔ اپنے ملی تشخص کے اِحیا اور بقا، غیروں کی ریشہ دوانیوں کا توڑ اور مسلم اُمہ کے فرضِ منصبی کو ادا کرنے کی فکر ہی کسی کو نہیں ہے۔ اُمت پر ماضی میں بھی ذلت و اِدبار مسلط ہونے کی وجہ بدعملی، سستی، منافقت، خودغرضی اور بدترین مفاد پرستی رہی ہے۔

مسلمانوں کو فی زمانہ اپنی انفرادی زندگیوں میں بالعموم کوئی سنگین پریشانی لاحق نہیں ہے، اس وقت ہمارا بنیادی مسئلہ ملی، اجتماعی اور قومی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اوّل تو ملت کا کوئی مرکز موجود نہیں ہے، ملت کے نام پر اجتماعی مفادات کا کوئی شعود موجود نہیں اور اگر حادثاتی طور پر ایسا کوئی ڈھانچہ بن گیا ہے تو تب بھی کارگہِ عمل میں وہ متحرک نہیں ہے۔ اس کے بالمقابل ملت ِ کفر اپنی کامیابی اور برتری کے لئے ایسے ایسے وسائل بروئے کار لا رہی ہے اور اپنا لمحہ لمحہ دوسروں کو اپنے دامِ فریب میں اُلجھانے کے لئے یوں کھپا رہی ہے کہ اس کے اَعداد وشمار اور سرسری جائزہ بھی حیرت افزا، چشم کشا اور روح فرسا ہے۔

خریطۂ ارض پر بہت سے آزاد ممالک کو آج سے کم وبیش نصف صدی قبل آزادی حاصل ہوئی، لیکن ان ممالک کی حکومتوں نے حاصل ہونے والی آزادی کی تعبیریں اپنے مخصوص مفادات کے مطابق کرتے ہوئے اپنے عوام کو مغالطہ دیا جبکہ دراصل یہ آزادیاں ان ممالک کی تحریکاتِ آزادی سے کہیں بڑھ کر اہل مغرب میں باہمی چپقلش کے نتیجے میں در آنے والی کمزوری کا نتیجہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آزادی کی منزل پانے کے لئے قربانیاں دینے کی نوبت تو بہت کم آئی اور زیادہ تر قربانیاں آزادی کے حصول اور اِعلان کے بعد ہوئیں جس کا سبب فسادات اور انتظامی کوتاہیاں تھیں۔ ان ممالک سے قابض اور استعماری عناصر کو باہمی عالمی

www.KitaboSunnat.com

جنگوں کی وجہ سے کمزور ہوجانے کے بعد واپس لوٹنا ہی تھا، لیکن جاتے ہوئے بھی اُنہوں نے اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دیا جو ان کے طرزِ فکر میں رنگے اور مستقبل میں ان کے مفادات کے محافظ ہوسکتے تھے۔ مزید یہ کہ سامراجی ان متروکہ ممالک پر ایسا ڈھانچہ مسلط کرکے گئے جن سے ان کے تحکم وتسلط کا تسلسل برقرار رہے۔ برائے نام آزادی حاصل کرنے والے ممالک میں مقتدر طبقوں کو پھر بھی ہوش نہ آئی اور اُنہوں نے مغرب کی کمزوری کے اس دور میں اپنے آپ کو مستحکم کرنے کے بجائے مفاد پرستی اور داخلی اختلافات میں اس سنہرے موقع کو ضائع کیا۔ دنیا بھر میں مسلم عوام چیختے چلاتے رہے، اور اپنی حکومتوں کو راست اقدامات کی تلقین کے لئے احتجاج اور دباؤ کا ہر طریقہ اُنہوں نے اختیار کیا، لیکن بالخصوص اُمتِ مسلمہ میں کہیں بھی ترقی واحیا کی کوئی تحریک طبقہ اقتدار کی قوت وتائید حاصل نہ کرسکی!!

مغرب کا یہ اختلاف دوسری جنگِ عظیم کے بعد چالیس برس تک آپس میں شدید نظریاتی اور سرد جنگ کی کیفیت سے دوچار رہا، جس دوران اہل مغرب اور ملتِ کفر ہی باہم برسرپیکار رہے، لیکن اس موقع سے مجموعی طور پر ملتِ اسلامیہ نے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا اور اس دوران ملی بنیادوں پر اپنے آپ کو منظم اور مستحکم کرنے پر کوئی توجہ دینے کی بجائے غیروں کی کاسہ لیسی میں ہی اپنا وقت صرف کیا۔ بعد میں مغرب نے اسلام کے جذبہ جہاد سے ہی فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے ایک فریق کو زیر کیا۔ اس وقت بھی اگر ہم ملی بنیادوں پر سوچتے تو ہمیں یہ فکر ہوتی کہ دنیا میں دو کفریہ طاقتوں کا جو فطری توازن بنا ہوا ہے، اس کو طول دینے سے ہم بطورِ ملت کیا فائدے اُٹھا سکتے ہیں لیکن جس قوم میں اپنی قومیت اور مرکزِ ملت کا شعور ہی ختم ہوچکا ہو، اس کے بعد ان مفادات کے تحفظ کا سوال ہی لایعنی بن جاتا ہے!!

آج بھی اہل مغرب کی بیسیوں تنظیمیں ہیں جو اپنی تہذیب، تجارت، معیشت اور نظریات کے فروغ کے لئے دن رات متحرک رہتی ہیں۔ جی ۸ ہو یا جی ۲۰، ورلڈ بنک ہو یا آئی ایم ایف، تجارت وصنعت کی عالمی انجمنیں ہوں یا تہذیب وثقافت کے فروغ کی عالمی کانفرنسیں اور ان سب پر مستزاد عالمی میڈیا اور اقوامِ متحدہ، یہ تمام ادارے اپنا ایجنڈا محکوم اقوام بالخصوص ملتِ اسلامیہ پر مسلط کرنے کے لئے ہر لمحہ قانون سازی اور نظام بندی کے نام پر نت نئی چالبازیاں تراشنے میں صرف کرتے ہیں۔ ان سازشوں کا نتیجہ اور اقوام متحدہ کی نصف صدی پر محیط کارکردگی کا حاصل یہ ہے کہ وہ جنگیں جو کبھی طاقتور اَقوام آپس میں لڑتی تھیں، اب معاشی یا سفارتی

www.KitaboSunnat.com

استعمار کے نام پر تیسری دنیا کے ممالک کو ان کا نشانہ اور شکار بنا دیا گیا ہے۔ آج کے عالمی ذرائع ابلاغ کا موضوع ان کے اپنے ممالک ہونے کی بجائے اکثر مسلم دنیا کے ایسے خطے ہیں جو اُن کے لئے تزویراتی اعتبار سے انتہائی اہم ہیں۔ آج جنگ وجدل کے ساتھ ساتھ دہشت گردی اور بدامنی اِنہی مسلم خطوں کا مقدر بنی ہوئی ہے۔ ماضی کے سامراجیوں نے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے اپنے باہمی اختلافات کو عوامی دلچسپی کا موضوع بنانے سے روکنے کی ہر ممکن تدبیر اور اپنے معاملات کو خاموش کمروں میں طے کرنے کی پھر پور سعی کی۔ طاقتور قوموں کے آپس میں لڑنے کا جہاں یہ نقصان تھا کہ کامیابی کے لئے زیادہ قوت صرف ہوتی تھی، وہاں ہر دو کے منظّم ہونے کے سبب مفادات بھی کم اور محدود حاصل ہوتے ہیں جبکہ اپنا رخ کمزور ممالک کی طرف کر لینے سے جہاں کامیابی وکامرانی آسانی سے ان کے قدم چومتی، وہاں نتائج وفوائد بھی لامحدود ہوتے، کیوں کہ غیر ترقی یافتہ اور غیر منظّم قوم کو اپنے وسائل ومسائل کا سرے سے شعور واِدراک ہی حاصل نہیں۔

سرد جنگ کے خاتمے کے بعد سے ملتِ اسلامیہ کفار کے حملوں کا نشانہ ہے۔ خلیج کی جنگ سے لے کر افغان وعراق جنگ اور حالیہ مزعومہ دہشت گردی کے خلاف ایک منظّم جنگ بندی جس کی نیٹو اور عالمی اتحاد قیادت کر رہا ہے، مسلمانوں کا مقدر بنی ہوئی ہے۔ ملتِ اسلامیہ کے نمایاں ممالک دو عشروں سے جن مسائل کا شکار ہیں، ان کو مادّی جنگ بھی کہا جاسکتا ہے اور نظریاتی بھی، لیکن دونوں نوعیّتوں سے کوئی غیر معمولی فرق واقع نہیں ہوتا، اس لئے کہ مادی و علاقائی اور معدنی واِفرادی وسائل پر ملتِ اسلامیہ جو حصہ رکھتی ہے، اس کا تقاضا بھی اس سے کوئی زیادہ مختلف نہیں۔

آج ہم ان ہمہ جہت مسائل سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پاتے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ سالوں کی منظّم منصوبہ بندی کے ساتھ ہماری مخالف اقوام نے اپنے ہمہ جہتی ادارے اس قدر مضبوط کر لیے ہیں کہ ہر میدان میں ناکامی ہمارا مقدر ٹھہرتی ہے۔ اگر مسلم اُمہ پر کوئی ظلم ہو، مثلاً توہین رسالتؐ پر مبنی کارٹونوں کی اشاعت کا مسئلہ وغیرہ تو اس پر اُمتِ مسلمہ جو بھی ردعمل کرے، اس کا فوری اور خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر اس ظلم کو گوارا کیا جائے تو یہ ایک سنگین بے غیرتی اور ملی بے حمیتی کے مترادف ٹھہرتا ہے اور اگر احتجاج کیا جائے تو ہماری مسلم حکومتوں پر کوئی اثر

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوتا۔ پھر توڑ پھوڑ اور جارحیت وتشدد کئے بغیر ہماری حکومتیں عوامی رائے کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں لیکن اس سے مسلمانوں کی اَملاک کے نقصان اور اقوامِ عالم میں مسلمانوں کے متشدد قوم ہونے کا تاثر اُبھرتا ہے۔ اگر ہمارے حکمران عالمی سطح پر احتجاج کرنے پر آمادہ بھی ہو جائیں تو اس کی کوئی تاثیر نظر نہیں آتی بلکہ ملت کو ایک مقابل اِبلاغی جنگ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

آج سے دو برس قبل رونما ہونے والے اس سانحہ کے موقع پر بعض اہل دانش کی یہ رائے پڑھنے کو ملی کہ ہمارا جو بھی احتجاج اور رویہ ہو، ہر ایک کا نتیجہ ملتِ اسلامیہ کے اُلٹ اور خلاف ہی پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب اپنے مختلف شعبہ ہائے حیات کی ترقی کے بعد زندگی کے مختلف میدانوں میں اس حد تک آگے نکل چکا ہے کہ ہمارے ہر قسم کے ردّعمل کو اپنا مفہوم دینے کی قدرت اس کے پاس موجود ہے کیونکہ ہماری زبان واِظہار اسی کے پاس اور ہماری سیاست ومعیشت کے مراکز بھی اسی سے تقویت پکڑتے ہیں۔

ایسی صورتحال میں وقتی ردعمل پر مبنی کوئی مؤثر حل پیش کرنے کی بجائے ضرورت اس امر کی ہے کہ احیائے ملی اور اُمہ کے تشخص کے تحفظ کے لئے طویل المیعاد لائحۂ عمل تشکیل دیا جائے۔ اپنے مفادات کا تعین کر کے ان کے حصول کی طرف پیش قدمی کی جائے اور اس کے لئے دیگر ممالک میں ایک مقابل گروپ بندی کر کے مظلوموں کو منظّم کیا جائے۔ دنیا میں جاری المیوں کا اس وقت یہی حل ہے!

ملتِ اسلامیہ اس وقت دنیا کے مرکزی علاقوں پر حکمران ہے۔ دنیا کا ہر چوتھا شخص مسلمان ہے اور اسلام دنیا کا سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے۔ مسلم اُمہ معدنی اور انسانی وسائل سے مالا مال ہے لیکن اپنے مفادات اور تحفظ کے شعور سے عاری ہے۔ محض اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا وقتی واویلا اور اس کے بعد لمبی خاموشی۔ ملت کا ایک مرکزی ادارہ او آئی سی بدعملی، سستی، اور مؤثر کردار سے عاری تنظیم کی علامت بن چکا ہے۔ زوال کی تین صدیاں گزارنے کے بعد بھی آج اس کے رکن حکمران بے تحاشا مالی وسائل ہونے کے باوجود بے غیرتی وبے حمیتی کا نشان بن کر لمبی تان سو رہے ہیں۔ پھر یہ شکوہ کرتے ہیں کہ ہم پر دنیا کی متحرک اَقوام نے تسلط جما لیا اور ہماری معیشت ان کے ہاں محصور ہوگئی اور ہماری پالیسیاں ان کے پاس بنتی ہیں۔ یہ شکوہ ہر اس قوم کو کرنا پڑتا ہے جو خود قوتِ عمل سے تہی دامن ہو!!

www.KitaboSunnat.com

سستی وغفلت کی یہ صدا دوسروں کو ہنسنے کا موقع تو دیتی ہے، لیکن ان پر رحم کا کوئی شائبہ بھی قریب نہیں پھٹکنے نہیں دیتی، بالخصوص جب کہ غفلت کی چادر تان لینے والے دن رات مال ودولت کی عیاشیوں میں تو مگن ہوں، اپنے ذاتی مفادات اور خودغرضیوں کے لئے ہر صلاحیت ان کے پاس موجود ہو، لیکن اجتماعی اور ملی مفاد کے لئے مخلصانہ بنیادوں پر کچھ سوچنے اور کرنے سے وہ عاری ہوں۔

دورِ حاضر کا اہم ترین مسئلہ دنیا کی طاقتور اقوام کا کمزور ممالک پر ظلم وستم ہے جو صرف عسکری جارحیت میں ہی نہیں بلکہ معاشی استحصال کے نت نئے طریقوں میں بھی ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ یہ معاملہ اس وقت سنگین تر ہوجاتا ہے جب ظالم اقوام، دشمنی اور غیریت کی بجائے اپنائیت اور دوستی کا لبادہ اوڑھ کر آئیں۔ جب وہ اپنے آپ کو دشمن کی بجائے انسانیت کا خیرخواہ اور اخلاق وکردار کی اعلیٰ اقدار کے حامل ہونے کا دعویٰ کریں لیکن عملاً ان کا رویہ، ظلم وستم اور جبر وقہر میں قرونِ وسطیٰ کے خون آشام جنگجوؤں سے قطعاً مختلف نہ ہو۔ آج پاکستان اسی استعماری جارحیت کا سامنا کررہا ہے اور جوں جوں اپنے دوست اور ہمدردوں کی مخلصانہ ہدایات پر عمل کرتا جارہا ہے، توں توں اپنے تباہی کو دعوت دے رہا ہے۔ ہمارے گذشتہ نو سال کے روز وشب اس پر شاہدِ عدل ہیں۔ لیکن اصل مسئلہ دشمن کا ظلم وستم نہیں، دنیا کی بعض اقوام کا انتہائی طاقتور اور منظّم ہوجانا نہیں، اصل مسئلہ دنیا کی مظلوم اَقوام کا غافل اور بے پروا ہوجانا اور اپنی قومی مفادات کا تعین کرکے اس کے لئے محنت نہ کرنا ہے۔ دنیا کو اس وقت امریکہ یا مغرب کی قوت سے خطرہ نہیں ہے بلکہ غافلوں کی غفلت اور نادانوں کی معصومیت ومدہوشی فکرمندی کا باعث ہے!

کیری لوگر بل اور اس کے بعد سے جاری سیاسی کشمکش اور بیان بازی اس تاثر کو تقویت دیتی ہے کہ پاکستان بدترین جارحیت کا شکار ملک ہونے کے باوجود اپنی ترقی اور استحکام کے لئے تاحال سنجیدہ غوروفکر اور پرعزم کدوکاوش پر آمادہ نہیں ہے۔ جب کوئی قوم اپنے اہداف کا تعین کرکے ایک لائحۂ عمل تشکیل دے لیتی ہے تو اس کے بعد سفارتی لابنگ، سیاسی کوششوں یا جوابی اقدامات کی باری آتی ہے۔ لیکن پاکستانی اربابِ اقتدار، جن کا رویہ اسلامی اُمہ کے مرکزی رویہ کا غماز ہے، بدعملی کی روش پر گامزن ہیں۔ مقابل میں مکار ریاستیں اپنے اَہداف کو اب تو کھلے بندوں بیان کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتیں۔ اور ہم لگاتار اپنے آپ کو اور اپنے عوام کو دھوکہ دیے

www.KitaboSunnat.com

جارہے ہیں۔ یہ سوچنا کہ دنیا کی مختلف قومیں دوستانہ بنیادوں پر اپنے تعلقات کو آگے بڑھاتی رہیں گی، بالخصوص اس وقت جب کہ وہ نظریاتی میدان میں ایک دوسرے کی بدترین حریف ہوں، ان کی تاریخ باہمی تصادم سے بھری پڑی ہو؛ معصومیت اور بھولپن کی انتہا ہے۔ قومیں تو کجا قرآن کی رو سے دوانسان ایک دوسرے کے مفادات پر ہاتھ صاف کرتے نہیں چوکتے، کیونکہ ہر کسی کو دوسرے کے فوائد ونعم سے لطف اندوز ہونا اچھا لگتا ہے، نتیجتاً بغاوت وسرکشی قوی عنصر کو دعوتِ طغیان دیتی ہے۔ آج کی مہذب دنیا میں یہ استحصال 'ڈپلومیسی' کی خوبصورت اصطلاحات میں معطر کرکے، امداد کے بلوں کے نام پر پیش کیا جاتا ہے۔

خوب یاد رہنا چاہیے کہ غیر اقوام کو کبھی کسی قوم پر ایسا غلبہ حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اس میں ایک طویل مدت تک دخل اندازی کرتی رہیں۔ یہ فرصت اور گنجائش اس کو مقابل قوم کی داخلی کمزوری اور اُن میں مفاد پرست وخودغرض عناصر کی موجودگی مہیا کرتی ہے۔ اس لئے کسی قوم کی قوت قابل فکر نہیں ہوتی؛ مقابل قوم کی نادانی، منافقت اور غفلت قابل مذمت ہے!!

آج ترقی کے بہت سے فلسفے اور تقاضے پیش کئے جاتے ہیں، جدید تعلیم اور ٹیکنالوجی کی مہارت کو اس کا لازمہ قرار دیا جاتا ہے، بہت سے لوگ اہلِ مغرب کی نقالی کو ہی ترقی کی معراج سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ سب باتیں ثانوی ہیں؛ ترقی کی اہم بنیادیں: احساس، شعور، جدوجہد اور پرعزم کاوش ہے۔ یہ رجحانات دنیا کی جس قوم میں پیدا ہوجائیں اور وہ علم دوستی، عدل، قانون پسندی، محنت اور اہل ہنر سے انصاف کا وطیرہ اختیار کرلے، وہ ترقی کے ایک معیار کو ضرور حاصل کرلیتی ہے۔ یہ خصوصیات پتھر اور سانپ کو دیوتا مان لینے والی ہندو قوم میں بھی پیدا ہوجائیں تو ان کا جہالت سے بھرپور اعتقاد ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ ترقی اور کامیابی کی یہ مسلمہ اَساسات ہیں جو ایک حد تک کامیابی کی ضمانت ہیں، البتہ دائمی، قوی تر، متوازن اور حقیقی کامیابی وکامرانی صرف اُس کے حصے میں آتی ہے جو اللہ کی طرف سے آنے والی مستند ہدایات (اسلام) پر عمل پیرا ہو۔

اُمتِ مسلمہ پر زوال آیا اور ایک صدی قبل تمام مسلم ریاستیں غیروں کی دستِ نگر اور محکوم بن گئیں، اسی ریاستی تسلط سے غیروں نے ہم سے ہمارا اسلامی جوہر اور بیش قیمت تہذیبی روایات چھین لیں اور ہمیں اپنی جیسی مادہ پرست قوم ومعاشرہ میں بدل دیا۔ مغربی اَقوام نے ریاستی تسلط

www.KitaboSunnat.com

کے کس کس پہلو سے فائدہ اُٹھایا اور مختصر عرصے میں ایک عظیم قوم کو کس طرح مسخ کر دیا، کبھی یہ مطالعہ بھی ہماری لئے موضوعِ عبرت بننا چاہئے۔ ان کی چیرہ دستیاں اس حد تک بڑھیں کہ آخر کار مسلم اُمہ کے مرکزِ خلافت کو بھی تباہ و برباد کرڈالا۔ نظریات مسخ کر دیے، سوچیں اور رجحانات بدل دیے، اسلام کا صرف نام باقی رہا اور مسلمانی نام کو رہ گئی!!

یہ قضیہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخر دورِ زوال کیوں کر طاری ہوا، اس سے قبل اس قدر پرشکوہ اُمت کے کار پردان نے کونسی ایسی کوتاہیاں کی تھیں کہ اس قدر عبرتناک انجام ان کا مقدر ٹھہرا؟ لیکن حال کے چند سالوں کا بنظر غائر مشاہدہ کر کے یہ قضیہ بآسانی حل ہوگیا۔ جب کسی قوم کے حکمران ہی اپنی قوم سے مخلص نہ رہیں، اپنی چند لمحوں کی عیاشی اور عافیت کے بدلے اپنی قوم کو سالوں کی غلامی میں دینے پر اُنہیں کوئی شرمندگی نہ ہو، زوال کے بدترین لمحات میں بھی وہ قوم خوابِ غفلت سے نہ جاگے اور مقابلہ کرنے کی حکمتِ عملی ترتیب نہ دے، محض وقتی نعرہ بازی پر اکتفا کرے تو اس قوم کا انجام اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟!

مقامِ افسوس ہے کہ آج اکیسویں صدی کے آغاز میں اُمتِ مسلمہ اقوامِ عالم میں اپنا تعارف اس بدتر شناخت سے پیش کررہی ہے۔ دین اسلام کی نظریاتی اور عملی قوت آج بھی ہر ذی شعور کو حیران کردیتی ہے اور اسی قوت کے سبب دنیا میں اسلام سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب ٹھہرتا ہے لیکن اسلام کے نام لیواؤں کا رویہ اور کردار، بالخصوص اجتماعی اور ملی رجحانات اُمتِ محمدیہ کے روشن چہرے کو داغ دار کرنے کے لئے کافی ہیں۔ آج کی اُمتِ مسلمہ کے حکمران اور عوام ورعایا کو دیکھ کر اپنی قوم کے ہونے والے زوال کی وجوہات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہیں۔

ہم اب بھی خوابِ غفلت سے نہ جاگے تو زوال کا یہ سیاہ دور طویل تر ہوتا جائے گا۔ ہمیں ہر سطح پر بیداری کی ضرورت ہے۔ زندگی کے ہر میدان میں کام کرنیوالے عناصر کی حوصلہ افزائی اور ان کو تائید وتقویت دے کر اپنا قومی مزاج بدلنا ہوگا۔ خوشامدیوں، موقع و مفاد پرستوں، بدمحنتوں اور غفلت کیشوں کو پیچھے ہٹا کر اُمتِ محمدیہ کی قیادت کیلئے باشعور اور باعمل مسلمانوں کو آگے بڑھانا ہوگا۔ تب ہی ہماری قوم کا کلچر بدلے گا، اور غیروں کے ظلم وتشدد سے ہمیں عافیت نصیب ہوگی۔ اس کیلئے سب سے پہلے احساس اور شعور کی ضرورت ہے، اس شعور کے نتیجے میں ہی قوتِ عمل کی تحریک پیدا ہوگی، تب آخر کار کامیابی مسلم اُمہ کا مقدر ٹھہرے گی۔ اِن شاء اللہ (ڈاکٹر حسن مدنی)

www.KitaboSunnat.com

حدیث وسنت

ڈاکٹر ابوجابر عبداللہ دامانوی

سلام ومصافحہ کے اَحکام ومسائل

قرآنِ مجید اور اَحادیث صحیحہ کی روشنی میں

سلام کے فضائل

① عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: «لاتدخلون الجنة حتى تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتى تحابوا، أو لا أدلُّكم على شيء إذا فعلتموه تحاببتم؟ اَفشوا السلام بينكم»①

''سیدنا ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتے جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ اور تم ایمان نہیں لاسکتے جب تک کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو اور کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جسے اپنا کرتم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟ وہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام کو عام کرو۔'' یعنی ایک دوسرے کو خوب سلام کیا کرو۔

② عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: «للمؤمن على المؤمن ست خصال: يعوده إذا مرض ويشهده إذا مات ويُجيبه إذا دعاه ويُسلِّم عليه إذا لقِيَه ويشمته إذا عطس وينصح له إذا غاب أو شهد»②

''سیدنا ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک مؤمن کے دوسرے مؤمن پر چھ حقوق ہیں: ① جب وہ بیمار ہو تو اس کی بیمار پُرسی کرے، ② جب وہ فوت ہوجائے تو اس

☆ اس سلسلے میں 'محدث' میں شائع شدہ یہ مضمون بھی قابل ذکر واستفادہ ہے:
مصافحہ کا مسنون طریقہ از محمد اختر صدیق ..... شائع شدہ 'محدث': جلد ۳۶/عدد ۱، صفحہ ۱۵ تا ۲۷

① صحیح مسلم: ۵۴

② سنن نسائی: ۱۹۴۰، سنن ترمذی: ۲۷۳۷، وقال الاستاذ حافظ زبیر علی زئی: اسنادہ حسن، أضواء المصابيح في تحقيق وتخريج مشكوٰة المصابيح: ۴۲۳۰

www.KitaboSunnat.com

کے جنازہ میں حاضر ہو، ③ جب وہ دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرے، ④ جب اس سے ملاقات ہو تو اسے سلام کرے، ⑤ جب اسے چھینک آئے (اور وہ الحمدللہ کہے) تو اسے یرحمك الله (اللہ آپ پر رحم فرمائے) کہہ کر رحمت کی دعا دے اور ⑥ اس کی غیر حاضری یا موجودگی میں اس کی خیرخواہی کرے۔

③ عن عبدالله بن عمرو أن رجلا سأل رسول الله ﷺ أي الاسلام خير؟ قال: «تطعم الطعام وتقرأ السلام على من عرفتَ ومن لم تَعرف» [3]

''سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا اسلام بہتر ہے (یعنی اسلام میں خیروخوبی کی بات کون سی ہے؟) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو کھانا کھلانا اور ہر شخص کو سلام کرنا چاہے وہ واقف ہو یا ناواقف''

④ عن أبي أمامة قال قال رسول الله ﷺ: «إن أولىٰ الناس بالله تعالىٰ مَن بَدَأهم بالسلام» [4]

''لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو اُنہیں سلام کہنے میں ابتدا کرے۔''

⑤ عن عبد الله يعني ابن مسعود عن النبي ﷺ قال: «السلام اسم من أسمآء الله تعالىٰ وضعه في الارض فأفشوه بينكم فإن الرجل المسلم إذا مرَّ بقوم فسلَّم عليهم فردوه عليه كان له عليهم فضل درجة بتذكيره إياهم السلام فإن لم يردوا ردّ عليه من هو خير منهم» [5]

''سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''سلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جسے اس نے زمین پر رکھ دیا ہے۔ پس تم سلام کو آپس میں (خوب) پھیلاؤ کیونکہ مسلمان شخص جب کسی قوم پر گزرتا ہے اور انہیں سلام کرتا ہے اور وہ

---

③ صحیح بخاری:۶۲۳۶، صحیح مسلم:۳۹

④ سنن ابوداؤد:۵۱۹۷ وقال الاستاذ حافظ زبیر علی زئی: اسنادہ صحیح، سنن ترمذی:۲۶۹۴

⑤ الترغيب والترهيب:۴۲۷/۳ قال المنذري: رواه البزار والطبراني، وأحد إسنادي البزار جيد قوي، فالحديث صحيح لا شك فيه (الصحيحة: ۳۰۸/۱، ۳۰۹، ج ۱۸۴)

www.KitaboSunnat.com

اس کو سلام کا جواب دیتے ہیں تو اس کے لیے ان پر ایک درجہ فضیلت ہے کیونکہ اس نے ان کو سلام یاد کرایا ہے اور اگر وہ لوگ اس کے سلام کا جواب نہ دیں تو اسے وہ جواب دے گا جو ان سے بہتر ہے۔''

سیدنا انسؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک سلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں رکھ دیا ہے۔ پس تم سلام کو آپس میں (خوب) پھیلاؤ۔'' (الادب المفرد: ص ۲۵۷)

سیدنا انسؓ کی یہ حدیث مختصر ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث بھی شواہد کی وجہ سے 'حسن' ہے۔

⑥ عن البراء بن عازب، قال قال رسول اللهﷺ «أفشوا السلام تسلموا والأشرة شر» ⑥

''سیدنا براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سلام کو پھیلاتے رہو تو تم سلامتی میں رہو گے اور تکبر اور حق کا انکار شر کا باعث ہے۔'' یعنی تکبر و بطر کی وجہ سے سلام کا جواب نہ دینا شر کا سبب ہے۔ بطر کا مطلب 'حق کا انکار کرنا' ہے۔

⑦ عن أبي الدرداء قال: قال رسول اللهﷺ: «افشوا السلام كي تعلوا» ⑦

سیدنا ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سلام کو پھیلاؤ تاکہ تم سربلند ہوجاؤ۔''

⑧ سیدنا عبداللہ بن سلامؓ اِرشاد فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئے، لوگوں نے کہا کہ اللہ کے رسولؐ تشریف لے آئے ہیں۔ لوگوں کیساتھ میں بھی آپ کی زیارت کے لیے گیا جب میں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ اقدس کو توجہ سے دیکھا تو مجھے یقین ہوگیا کہ آپ کا چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں۔ نبی ﷺ نے سب سے پہلے جو کلام فرمایا وہ یہ تھا:

⑥ مسند احمد: ۲۸۶/۴ واسنادہ حسن (الموسوعة الحديثية: ۴۹۵/۳۰) ورجالہ ثقات: ۲۹/۸

⑦ الترغيب والترهيب: ۴۲۶/۳) وقال المنذري: رواه الطبراني بإسناد حسن وقال الهيثمي: رواه الطبراني وإسناده جيد (مجمع الزوائد: ۳۰/۸) إرواء الغليل: ۲۴۱/۳

www.KitaboSunnat.com

«يأيها الناس أفشوا السلام، وأطعموا الطعام وصلُّوا بالليل والناس نيام، تدخلوا الجنة بسلام»[8]

''لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلایا کرو، رات کو جب لوگ سو رہے ہوں تو تم نماز پڑھا کرو، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔''

⑨ عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ :«أعجز الناس من عجز في الدعاء وأبخل الناس من بخل بالسلام»[9]

''سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں میں عاجز ترین شخص وہ ہے کہ جو دعاء سے عاجز آ گیا ہو اور لوگوں میں بخیل و کنجوس ترین شخص وہ ہے کہ جو سلام میں بخل کرے۔''

فوائد

ان اَحادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اس اُمت کو اللہ تعالیٰ نے جو خصوصیات عطا فرما رکھی ہیں ان میں سے ایک اہم خصوصیت سلام کی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کو یہ عظیم تحفہ عنایت کیا گیا ہے۔ سلام کے مندرجہ ذیل فوائد ان احادیث میں بیان کئے گئے ہیں:

① مسلمانوں کا آپس میں پیار ومحبت کا رشتہ سلام کی وجہ سے قائم ہوگا۔

② ایک مسلمان کا دوسرے کو سلام کرنا مسلمانوں کے حقوق میں شامل ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو سلام کرے اور اسی طرح وہ اپنے مسلمان بھائی کے سلام کا جواب دے۔

③ سلام ہر مسلمان کو کرنا ہے، چاہے وہ واقف ہو یا ناواقف

④ اسلام کی خوبی میں یہ بات شامل ہے کہ سلام کو رواج دیا جائے۔

---

⑧ سنن ابن ماجہ: ۱۳۳۴، سنن ترمذی: ۲۴۸۵، وقال: صحيح، وقال الاستاذ زبير علي زئي: إسناده صحيح

⑨ الترغيب والترهيب: ج۳ص۴۳۰، وقال المنذري رواه الطبراني في الأوسط وقال لايروى عن النبي ﷺ إلا بهذا الاسناد (قال الحافظ) وهو إسناد جيد قوي

www.KitaboSunnat.com

⑤ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے قریب ہے کہ جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

⑥ سلام اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں رکھ دیا ہے لہٰذا سلام کو آپس میں خوب عام کرنا چاہئے۔

⑦ سلام کرنے والا سلامتی میں رہے گا کیونکہ جب وہ دوسروں کی سلامتی چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی سلامتی میں رکھے گا نیز سلام کرنے والا تکبر سے بھی محفوظ رہے گا۔

⑧ سلام کو عام کرنا مسلمانوں کی سربلندی کا زینہ ہے۔

⑨ سلام ایک ایسا عمل ہے جو جنت میں داخلہ کا ذریعہ بھی ہے۔

⑩ سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو سلام میں بخل کرتا ہے۔

سلام کے احکام ومسائل

احادیث میں سلام کے متعلق متعدد احکامات ثابت ہیں جن کا مختصراً یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

① اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جب پیدا کیا تو اُنہیں حکم دیا کہ وہ فرشتوں کی جماعت کو سلام کہیں اور فرمایا کہ یہی آپ کا اور آپ کی اولاد کا سلام ہوگا۔[10]

② ایک حدیث میں ہے کہ سوار پیادہ کو، پیادہ بیٹھے ہوئے کو اور کم تعداد والے زیادہ لوگوں کو سلام کیا کریں۔[11]

③ چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور قلیل کثیر کو سلام کیا کریں۔[12]

④ یہودی، نبی کریم ﷺ کی مجلس میں آ کر "السّام علیکم" (یعنی تمہیں موت آئے) کہا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے اس طرزِ عمل پر اُنہیں یہ جواب دیا گیا کہ جب اہل کتاب سلام کریں تو جواب میں اُنہیں وعلیکم کہا جائے۔[13]

⑤ کسی مجلس میں مسلمان، مشرکین، بت پرست اور یہودی مشترک ہوں تو اُنہیں سلام کہا

---

⑩ صحیح بخاری: ۳۳۲۶، صحیح مسلم: ۲۸۴۱

⑪ صحیح بخاری: ۶۲۳۳، صحیح مسلم: ۲۱۶۰

⑫ صحیح بخاری: ۶۲۳۴

⑬ صحیح مسلم: ۲۱۶۴

www.KitaboSunnat.com

جائے۔[۱۴]

⑥ السلام علیکم کہنے والے کو دس نیکیاں اور السلام علیکم ورحمة الله کہنے والے کو بیس نیکیاں اور السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته کہنے والے کو تیس نیکیاں ملتی ہیں۔[۱۵] اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته ومغفرته کے الفاظ کہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے چالیس نیکیاں ملی ہیں۔[۱۶]

⑦ ایک جماعت اگر کسی شخص کے پاس سے گزرے تو ایک شخص کا سلام کہنا سب کی طرف سے کافی ہوجائے گا اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص جواب دے تو وہ جوابِ سلام سب کی طرف سے کافی ہوجائے گا۔[۱۷]

البتہ بہت سے افراد بیک وقت بھی ایک آدمی کو سلام کرسکتے ہیں۔[۱۸]

⑧ اُنگلیوں کے ساتھ اشارہ کرکے سلام کہنا عیسائیوں کا سلام ہے اور ہتھیلیوں سے اشارہ کرنا یہودیوں کا سلام ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہمارے غیر کے ساتھ مشابہت کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[۱۹] البتہ ضرورت کے تحت ہاتھ سے اشارہ کیا جاسکتا ہے۔[۲۰]

نوٹ: آج کل اکثر مسلمان سلام کے وقت 'السلام علیکم' کہنے کے بجائے ہاتھ اُٹھا کر سلام کرتے ہیں۔اس حدیث سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ کی سنت ہے اور یہود و نصاریٰ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہماری فوج میں بھی سیلوٹ کا طریقہ رائج ہے لہٰذا اس طریقے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ضروری ہے کہ ان غیر اسلامی چیزوں کو فوج سے بھی ختم کیا

---

[۱۴] صحیح بخاری:۶۲۵۴، صحیح مسلم:۱۷۹۸

[۱۵] سنن ترمذی:۲۶۸۹، سنن ابوداؤد:۵۱۹۵

[۱۶] سنن ابوداؤد:۵۱۹۶، واسنادہ حسن، وقال الشیخ الالبانی: ضعیف الاسناد

[۱۷] سنن ابوداؤد:۵۲۱۰

[۱۸] مسند احمد، بلوغ الامانی ۱۹/۳۰۰، موطا امام مالک جامع السلام

[۱۹] سنن ترمذی:۲۶۹۵

[۲۰] سنن ترمذی:۲۶۹۷ وقال حدیث حسن

www.KitaboSunnat.com

جائے تاکہ ہماری فوج کامیاب وکامران ہو۔

⑨ اگر کسی مسلمان سے ملاقات ہو تو پھر اسے سلام کہے اور چلتے وقت درمیان میں کوئی درخت، دیوار یا چٹان حائل ہوجائے اور دوبارہ ملاقات ہوتو پھر اسے سلام کرے۔[۲۱]

⑩ کسی مجلس میں پہنچے تو سلام کہے اور جب وہاں سے رخصت ہوتو سلام کہے۔[۲۲]

⑪ عورتوں کو بھی سلام کرے۔[۲۳]

⑫ نبی کریم ﷺ چند لڑکوں کے پاس سے گزرے تو اُنہیں سلام کیا۔[۲۴]

⑬ بول و براز کے وقت نہ سلام کرے اور نہ سلام کا جواب دے۔[۲۵]

⑭ نمازی ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دے۔[۲۶]

⑮ جب کوئی شخص کسی کا سلام پہنچائے تو اس طرح جواب دے: عليك وعليه السلام ورحمة الله و بركاته[۲۷]

⑯ رات کے وقت اتنی آواز سے سلام کرے کہ جاگنے والا سن لے اور سونے والا بیدار نہ ہو۔[۲۸]

مصافحہ

دائیں ہاتھ کی ہتھیلی (جسے صفحہ کہتے ہیں) کو دوسرے مسلمان کی ہتھیلی (صفحہ) کے ساتھ ملانے کو مصافحہ کہتے ہیں اور جب کسی مسلمان سے ملاقات ہوتو اسے سلام کرنے کے بعد اس سے مصافحہ بھی کرنا چاہئے اور مصافحہ کرنے کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے:

---

[۲۱] سنن ابوداؤد: ۵۲۰۰، قال الشیخ الالبانی: صحیح موقوفاً ومرفوعاً

[۲۲] سنن ترمذی: ۲۷۰۶، قال الالبانی: حسن صحیح

[۲۳] سنن ابوداؤد: ۵۲۰۴، قال الالبانی: صحیح

[۲۴] صحیح مسلم: ۲۱۶۸

[۲۵] سنن ترمذی: ۲۷۲۰، سنن ابن ماجہ: ۳۵۰، الصحیحۃ: ۱۹۷

[۲۶] سنن نسائی: ۱۱۸۶، قال الشیخ الالبانی: صحیح

[۲۷] مسند احمد، بلوغ الامانی ۲۲/۱۲۵ وسندہ صحیح

[۲۸] صحیح مسلم

www.KitaboSunnat.com

① حدثنا محمد بن بكر حدثنا ميمون المرئي حدثنا ميمون ابن سياه عن أنس بن مالك عن النبي الله ﷺ قال: «ما من مسلمين التقيا فأخذ أحدهما بيد صاحبه إلا كان حقًّا على الله أن يحضر دعآء هما ولا يفرق بين أيديهما حتى يغفرلهما» [29]

''سیدنا انس بن مالکؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''جب دو مسلم آپس میں ملاقات کرتے ہیں پھر ان میں سے ایک اپنے دوسرے ساتھی کا ہاتھ پکڑتا ہے (اور اس سے مصافحہ کرتا ہے) تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ ان کی دعا کو قبول فرمائے اور ان دونوں کے ہاتھوں میں جدائی نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ ان کی بخشش فرما دیتا ہے''۔

② حدثنا الحسين بن إسحاق التستري ثنا عبيد الله بن القواريري ثنا سالم بن غيلان قال سمعت جعدًا أبا عثمان يقول حدثني أبوعثمان النهدي عن سلمان الفارسي أن النبي ﷺ قال: «إن المسلم إذا لقي أخاه المسلم فأخذ بيدهٖ تحاتت عنهما ذنوبهما كما تتحات الورق مِنَ الشجرة اليابسة في يوم ريح عاصف وإلا غفرلهما ولو كانت ذنوبهما مثل زبد البحر» [30]

''سیدنا سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب کوئی مسلم اپنے مسلم بھائی سے ملاقات کرتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑتا ہے تو ان دونوں کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں کہ جیسے پتے خشک درخت سے تیز وتند ہوا والے دن جھڑ جاتے ہیں اور ان کی بخشش کر دی جاتی ہے۔ اگرچہ ان کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔''

---

[29] مسند احمد: ۱۴۲/۳، مسند ابویعلی موصلی: ۱۶۰/۴، ح ۴۱۲۵، طبع مؤسسۃ علوم القرآن بیروت، مسند البزار: ۲۰۰۴، الکامل ابن عدی: ۲۴۰۹/۶، وقال شعیب الارناووط وزبیر علی زئی: واسنادہ حسن (۴۳۶/۱۹) وقال الالبانی، فإن الطريق إلى ميمون المرئي صحيح (الصحيحة: ۴۷/۲)

[30] المعجم الكبير: ۲۵۶/۶، ح: ۶۱۵۰۔ وقال الهيثمي: ورجاله رجال الصحيح غير سالم بن غيلان وهو ثقة (المجمع: ۳۸/۸) وقال المنذري: رواه الطبراني باسناد حسن (الترغيب: ۴۰۲/۳) (اس روایت کی سند حسن ہے)۔ ان مضامین کی روایات اگرچہ ابوداؤد: ۵۲۱۱، ۵۲۱۲، ترمذی: ۲۷۲۷، ابن ماجہ: ۳۷۰۳) وغیرہ میں موجود ہیں، لیکن یہ روایات ضعیف ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

ان دونوں احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مصافحہ ایک ہی ہاتھ سے مسنون ہے اور دونوں کے ساتھ مصافحہ کا ذکر کسی صحیح حدیث میں ہی نہیں بلکہ کسی ضعیف روایت میں بھی موجود نہیں ہے۔

③ عن عبد الله بن هشام قال كُنَّا مع النبي ﷺ وهو آخذ بيد عمر ابن الخطاب.....[31]

''سیدنا عبداللہ بن ہشامؓ بیان کرتے ہیں کہ'' ہم لوگ نبی ﷺ کی مجلس میں موجود تھے اور نبی ﷺ عمر بن خطابؓ کے ہاتھ کو پکڑے ہوئے تھے''.....

④ عن أبي هريرة قال لقيني رسول الله ﷺ وأنا جنب فأخذ بيدي..... [32]

''سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ''میری ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوئی اور میں جنبی تھا، پس آپ نے میرا ہاتھ پکڑا.....''

⑤ عن أنس قال: ما مسِسْتُ حريرًا ولا ديباجًا ألين من كف النبي ولا شممت ريحا قط ـ أو عرفا قط ـ أطيب من ريح ـ أوعرف ـ النبي ﷺ [33]

''سیدنا انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ میں نے کبھی کوئی موٹا ریشم اور باریک ریشم نہیں چھوا جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم و ملائم ہو اور نہ کوئی بُو یا خوشبو نبی ﷺ کی بُو یا خوشبو سے میں نے بہتر اور عمدہ سونگھی ہو۔ نبی ﷺ کی ہتھیلی کا نرم و ملائم معلوم ہونا مصافحہ ہی کے ذریعے معلوم ہوسکتا تھا۔''

⑥ وقال كعب بن مالك: دخلت المسجد فإذا برسول الله ﷺ فقام إليَّ طلحة بن عبيد الله يهرول حتى صافحني وهنأني [33]

''سیدنا کعب بن مالکؓ (غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے اور اپنی توبہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اس طویل حدیث میں) فرماتے ہیں کہ میں (توبہ قبول کئے جانے کی خوشخبری سن کر مسجد کی طرف آیا اور) مسجد میں داخل ہوا جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ پس طلحہ بن

---

[31] صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، باب المصافحہ، ح ۶۲۶۴

[32] صحیح بخاری: ۲۸۵

[33] صحیح بخاری: ۳۵۶۱، صحیح مسلم ۲۳۳۰

[33] صحیح بخاری، کتاب الاستیذان باب المصافحہ قبل: ۶۲۶۳ تعلیقاً

www.KitaboSunnat.com

عبیداللہؓ تیزی سے میری طرف کھڑے ہوئے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے (توبہ قبول ہونے کی) مبارک باد دی۔

⑦ حدثنا حسان بن نوح حمصيٌّ قال سمعت عبدالله بن بُسر يقول: ترون كفي هذه فأشهد أني وضعتُها على كف محمد ﷺ [۳۵]

''سیدنا حسان بن نوح حمصیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن بُسرؓ کو سنا وہ فرما رہے تھے: تم لوگ میری اس ہتھیلی کو دیکھتے ہو میں نے اسی ایک ہتھیلی کو محمد ﷺ کی ہتھیلی پر رکھا ہے۔''

یہ حدیث صراحت کے ساتھ ثابت کررہی ہے کہ مصافحہ دائیں ہتھیلی (صفحہ) کو دائیں ہتھیلی (صفحہ) پر رکھنے کا ہی نام ہے۔ فافہم

⑧ أخبرنا الحسين بن حريث أنا عيسىٰ عن عبد العزيز بن عمر بن عبدالعزيز حدثني إسماعيل بن محمد بن سعد عن قزعة قال أتيت ابن عمر أودعه فقال أودعك كما ودعني رسول الله ﷺ فأخذ بيدي فحركها وقال: «أستودع الله دينك وأمانتك وخواتم عملك» [۳۶]

شیخ البانیؒ نے مسافر کو رخصت کرتے وقت اس کے ساتھ مصافحہ کرنے کی حدیث کو ابن عساکر سے صحیح سند سے نقل کیا ہے:

كما ودعني رسول الله ﷺ فأخذ بيدي يصافحني [۳۷]

''سیدنا قزعہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا عبداللہ بن عمیرؓ کے پاس ان سے رخصت ہونے کے لیے آیا، پس اُنہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں اسی طرح رخصت کرتا ہوں جس طرح مجھے رسول اللہ ﷺ نے رخصت فرمایا تھا۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر ہلایا اور فرمایا: ''میں تیرا دین، تیری امانت اور تیرے کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔''

⑨ عن عبد الله بن عمر قال وكانت بيعة الرضوان بعد ما ذهب عثمان إلى مكة فقال رسول الله ﷺ بيده اليمنىٰ «هٰذه يد عثمان» فضرب بها

[۳۵] مسند احمد: ۴/۱۸۹ واسنادہ صحیح، التمہید لابن عبدالبر واسنادہ صحیح (عون المعبود: ۴/۵۲۱) طبع بیروت

[۳۶] السنن الکبریٰ النسائی: ۶/۱۳۲، ح: ۱۳۰۴۸، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ح ۵۱۴، وسندہ صحیح

[۳۷] السلسلة الصحيحة: ۱/۲۰

www.KitaboSunnat.com

علي يده فقال «هٰذا لعثمان» [38]

''سیدنا عبداللہ بن عمرؓ (ایک طویل حدیث میں) بیان فرماتے ہیں: سیدنا عثمانؓ (کو نبیﷺ نے اپنا سفیر بنا کر مکہ روانہ فرمایا چنانچہ ان کے) مکہ چلے جانے کے بعد (اور ان کی شہادت کی افواہ کے بعد) بیعت رضوان ہوئی۔ پس رسول اللہﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ میرا داہنا ہاتھ عثمان کا ہاتھ ہے پھر آپ نے اپنے داہنے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے۔''

نبیﷺ جب کسی سے بیعت لیا کرتے تھے تو اپنے دائیں ہاتھ کو پھیلا دیتے اور بیعت کرنے والا بھی اپنا دایاں ہاتھ نبیﷺ کے دائیں ہاتھ پر رکھ کر مصافحہ کیا کرتا تھا۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ جب اسلام پر بیعت کرنے کے لیے نبیﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ اپنا دایاں ہاتھ بڑھائیں تاکہ میں آپؐ سے بیعت کرلوں، چنانچہ آپؐ نے اپنا دایاں ہاتھ بڑھایا...... [39]

اَحادیثِ صحیحہ سے یہ بات واضح ہے کہ مصافحہ بیعت ہمیشہ دائیں ہاتھ ہی سے ہوتا تھا، اس طرح عام مصافحہ بھی دائیں ہاتھ ہی سے ثابت ہے۔

دائیں ہاتھ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نبیﷺ اپنا دایاں ہاتھ کھانے، پینے اور پہننے میں استعمال کیا کرتے تھے اور بایاں ہاتھ اس کے علاوہ دوسرے کاموں (مثلاً استنجا وغیرہ میں استعمال کیا کرتے تھے۔[40] ایک حدیث میں ہے: ''بائیں ہاتھ سے کسی سے کوئی چیز نہ لے اور نہ کسی کو بائیں ہاتھ سے کوئی چیز دے۔[41] اس وضاحت سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ مصافحہ بھی بائیں ہاتھ سے جائز نہیں بلکہ صرف دائیں ہاتھ سے مصافحہ جائز ہے، کیونکہ بائیں ہاتھ سے کوئی چیز پکڑنا ہی جائز نہیں تو ہاتھ کو پکڑنا کیسے جائز ہوگا؟ فافہم

(10) سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: بايعت رسول الله ﷺ بيدي هذه يعني

(38) صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبیﷺ باب مناقب عثمان بن عفان ابی عمرو القرشی، ح ۳۶۹۹ و کتاب المغازی باب ۱۹ ح ۴۰۶۶

(39) صحیح مسلم، کتاب الایمان باب ۵۴: کون الإسلام یهدم ماقبله...... ح ۱۲۱

(40) سنن ابوداود: ۳۲ (41) صحیح مسلم: ۲۰۲۰

www.KitaboSunnat.com

اليمنىٰ على السمع والطاعة فيما استطعت[۴۲]

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے اس ایک ہاتھ یعنی داہنے ہاتھ سے بیعت کی۔ سننے اور اطاعت کرنے پر، جس قدر کہ استطاعت ہوگی۔

⑪ سیدنا یونس بن رزینؒ بیان کرتے ہیں کہ وہ اور ان کے ساتھی حج کے ارادہ سے نکلے اور الربذہ مقام پر اُترے، اُن سے کہا گیا کہ یہ سلمہ بن الاکوعؓ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں ہم نے اُنہیں سلام کیا اور ان سے سوال کیا:

فقال بايعت رسول اللهﷺ بيدي هٰذه، وأخرج لنا كفًا كفًا ضخمة قال فقمنا إليه، فقبلنا كفيه جميعًا[۴۳]

''پس آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی اس ہاتھ سے اور اُنہوں نے ہمیں دکھانے کے لیے اپنی کشادہ، موٹی اور پرگوشت ہتھیلی نکالی پس ہم سب اس ہتھیلی کے لیے کھڑے ہوئے پھر ہم سب نے ان کی ہتھیلی کو چوما۔''

سیدنا سلمہ بن الاکوعؓ کا حدیبیہ کے موقع پر بیعت کا واقعہ مسند احمد میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔[۴۴]

⑫ حدثني أبو راشد الحبراني قال أخذ بيدي أبو أمامة الباهلي قال أخذ بيدي رسول الله ﷺ فقال لي: «يا أبا أمامة! إن من المؤمنين من يلين لي قلبه»[۴۵]

''سیدنا ابوراشد حبرانیؒ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابوامامہ الباہلیؓ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی میرا ہاتھ تھاما تھا اور فرمایا: اے ابوامامہ! ایمان والوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جن کا دل میرے لیے نرم ہے۔'' (یعنی آپ سے وہ محبت کرتے ہیں)

---

۴۲ مسند احمد: ۱۷۲/۳ وأخرجه أيضا في المختاره: ۲۳۱۶ وإسناده حسن (الموسوعة الحديثية: ۱۶۶/۲۰)

۴۳ مسند احمد: ۵۴/۴، ۵۵ واسناده محتمل للتحسين: ۸۳/۲۷

۴۴ دیکھئے مسند احمد: ۴۷/۴، ۴۸، ۴۹

۴۵ مسند احمد: ۲۶۷/۵ قلت: إسناده حسن وفي سنده بقية من الوليد وهو صدوق كثير التدليس من الضعفاء وقد صرح سماع عن محمد بن زياد فحديثه حسن

www.KitaboSunnat.com

⑬ حدثنا يحيىٰ بن إسحاق، قال حدثنا يحيىٰ بن أيوب عن حميد قال سمعت أنس بن مالك يقول: قال رسول الله ﷺ: «يقدم عليكم غدًا أقوام هم أرق قلوبًا للاسلام منكم» قال: فقدم الأشعريون فيهم أبو موسى الأشعري فلما دنوا من المدينة جعلوا يرتجزون يقولون:

غدًا نلقى إلاحبة ...... محمداً وحزبه فلما أن قدموا تصافحوا، فكانوا هم أوّل من أحدث المصافحة㊻

''سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایاتمہارے پاس کل ایک ایسی قوم آ رہی ہے کہ جن کے دل تم میں سے بہت زیادہ اسلام کی طرف مائل ہیں۔سیدنا انسؓ فرماتے ہیں کہ پس اشعری لوگ آئے جن میں ابوموسیٰ الاشعریؓ بھی شامل تھے، پس جب وہ لوگ مدینہ کے قریب پہنچے تو وہ یہ شعر پڑھتے ہوئے آئے۔''

کل ہم اپنے محبوب لوگوں سے ملاقات کریں گے

محمد(ﷺ) اور ان کی جماعت سے

پس جب وہ لوگ آئے تو انہوں نے (نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے) مصافحے کئے اور یہ سب سے پہلے لوگ ہیں جنہوں نے مصافحہ کا طریقہ رائج کیا (اور نبی ﷺ کی تصدیق کی وجہ سے یہ سنت قرار پایا)۔

⑭ عن عطاء الخراساني أن رسول الله ﷺ: قال تصافحوا يذهب الغل وتهادوا تحابوا وتذهب الشحناء ......㊼

''سیدنا عطاء خراسانیؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: تم مصافحہ کیا کرو، یہ بغض، کینہ کو دور کرتا ہے اور آپس میں تحائف دیا کرو، اس سے محبت اُجاگر ہوگی اور دشمنی ختم ہوجائے گی۔''

㊻ مسند احمد:۳/۱۵۵، المختارة للضياء المقدسي (۱۹۴۵)، صحیح ابن حبان (۷۱۹۳) واسنادہ حسن (الموسوعة الحديثية:۲۰/۴۰)

㊼ رواه مرسلا۔ وقال الاستاذ حافظ زبیر علی زئی: اسنادہ حسن، رواہ مالک:۲/۹۰۸، ح:۱۷۵۰، وسنده ضعيف وله شاهد في جامع عبد الله بن وهب ص۳۸، ح۲۴۶۔ مشکوٰۃ:۴۶۹۳

www.KitaboSunnat.com

⑮ عن قتادة قال قلت لأنس أكانت المصافحة في أصحاب رسول الله ﷺ قال: نعم[48]

''سیدنا قتادہؒ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا انسؓ سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ مصافحہ کیا کرتے تھے، انہوں نے فرمایا: جی ہاں!''

⑯ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آتیں تو آپ ان کے لیے کھڑے ہوجاتے، ان کا ہاتھ پکڑتے، ان کا بوسہ لیتے اور اُنہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے اور آپ ﷺ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپؐ کے لیے کھڑی ہوجاتیں اور آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑتیں، آپؐ کا بوسہ لیتیں اور آپؐ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔[49]

⑰ عن أنس كان أصحاب النبي ﷺ إذا تلاقوا تصافحوا وإذا قدموا من سفر تعانقوا (رواه الطبراني في الأوسط و رجاله رجال الصحيح)[50]

''سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ آپس میں ملتے تو مصافحہ کرتے اور جب وہ سفر سے آتے تو باہم معانقہ کرتے۔''

⑱ سیدنا حنظلہ اسیدیؓ کو اپنے اوپر نفاق کا خدشہ ہوگیا اور وہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے خدشہ کا اظہار فرمایا:

فقال رسول الله ﷺ: «والذي نفسي بيده إن لو تدومون على ما تكونون عندي وفي الذكر لصافحتكم الملئكة على فرشكم وفي طرقكم ولكن يا حنظلة! ساعةً وساعةً، ثلاث مرات»[51]

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تمہاری سدا وہی کیفیت رہے جو میرے پاس ہوتی ہے یا تم ذکر میں رہو تو البتہ تم سے ملائکہ مصافحے کریں تمہارے بستروں پر اور راستوں پر لیکن اے حنظلہ! یہ کیفیت تو کبھی کبھی ہوتی

---

[48] صحیح بخاری: ح ۶۲۶۳، مشکوٰۃ المصابیح: ۴۶۷۷

[49] سنن ابوداؤد: ۵۲۱۷، قال الالبانی 'صحیح'

[50] مجمع الزوائد: ۳۶/۸، الترغیب والترہیب: ۲۷۱۹، الصحیحۃ: ۲۶۴۷

[51] صحیح مسلم: ۲۷۵۰

www.KitaboSunnat.com

ہے۔آپ نے تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے۔''

عورتوں کی بیعت اور اس کا طریقہ کار:

❶ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ مؤمن عورتیں جب ہجرت کرکے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں تو آپ قرآنِ مجید کی اس آیتِ مبارکہ کے مطابق ان سے اقرار لیتے تھے: ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ... الاية﴾ (الممتحنہ:۱۲) سیدہ عائشہؓ نے فرمایا: جس مؤمنہ عورت نے ان چیزوں کا اقرار کرلیا، اس نے آزمائش (میں پورا اُترنے) کا اقرار (اور وعدہ) کرلیا جب عورتیں (ان سے بول کر) ان کا اقرار کرلیتی تھیں تو رسول اللہ ﷺ اُنہیں فرماتے: ''جاؤ میں نے تم سے بیعت لے لی۔''

واللہ ما مسّت ید رسول اللہ ﷺ ید امرأة قط غیر أنه بایعهن بالکلام[۵۲]

''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ کبھی کسی (اجنبی) عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا بلکہ آپؐ زبانی طور پر ان سے بیعت لیتے تھے۔'' اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے صرف وہی عہد لیا جس کا اللہ نے حکم دیا تھا۔(سنن ابن ماجہ میں یہ الفاظ بھی ہیں، آپ کی ہتھیلی کبھی کسی (غیر محرم) عورت کی ہتھیلی سے نہیں چھوئی) رسول اللہ ﷺ جب عورتوں سے عہد لیتے تو اُنہیں زبان سے فرماتے: ''میں نے تم سے بیعت لے لی ہے۔''

❷ سیدہ اُمیمہ بنت رُقیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں چند خواتین کے ساتھ بیعت کرنے کے لیے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے بیعت کی۔آپ نے ہم (عورتوں) سے کہا: ''جہاں تک تم سے ہوسکے اور جتنی تم طاقت رکھو'' (تو اتنا ہی عمل کرو)۔اُمیمہؓ نے (دل میں) کہا: ''اللہ اور اس کے رسولؐ ہماری جانوں پر ہم سے زیادہ رحیم ہیں۔میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! ہم سے بیعت لیں (یعنی ہم سے مصافحہ فرمائیں) آپؐ نے فرمایا: «إني لا أصافح النسآء» میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔اور میرا ایک سو عورتوں سے زبانی بیعت لینا اسی طرح ہے جیسے ایک عورت سے بیعت لینا۔[۵۳]

---

[۵۲] صحیح بخاری: ۵۲۸۸، مسلم: الامارۃ، باب کیفیة بیعة النساء، ح:۱۸۶۶، ابن ماجہ: ۲۸۷۵

www.KitaboSunnat.com

نسائی کی روایت میں ہے کہ اُمیمہؓ نے سورۃ الممتحنہ کی آیت تلاوت کی اور اس آیت کے مطابق بیعت کی۔اس آیت میں چھ باتوں سے روکا گیا ہے: (۱) شرک (۲) چوری (۳) زنا (۴) قتل اولاد (۵) کسی پر بہتان گھڑنا اور (۶) معروف میں نبی کریم ﷺ کی نافرمانی سے اجتناب۔(الممتحنہ: آیت ۱۲) ان باتوں کے علاوہ آپ عورتوں سے نوحہ نہ کرنے، غم میں گریبان چاک نہ کرنے، سر کے بال نہ نوچنے اور جاہلیت کی طرح بین نہ کرنے پر بھی بیعت لیا کرتے تھے۔[۵۴]

قرآن مجید میں سلام کے اَحکامات

قرآنِ مجید کے مطالعے سے بھی سلام کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

① اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام 'السلام' بھی ہے جس کا مطلب ''امن و سلامتی عطا کرنے والا ہے۔'' (الحشر:۲۳)

نبی مدنی ﷺ کی مشہور دعاؤں میں سے ایک دعا کے الفاظ یہ ہیں: «اللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والإكرام»[۵۵]

''اے اللہ! تو ہی سلامتی عطا کرنے والا اور تیری ہی طرف سے سلامتی ہے۔تو بہت بابرکت ہے، اے صاحبِ جلال واکرام!''

نبی کریم ﷺ اس دعا کو فرض نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

② اللہ تعالیٰ نے گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کہنے کا حکم دیا ہے:

﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمُ الاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (النور:۶۱)

''پس جب تم اپنے گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں (گھر والوں) کو سلام کہا کرو۔ یہ اللہ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے۔اسی طرح اللہ اپنی آیات تمہارے لیے کھول کر

---

[۵۴] مسند احمد: ۶/۳۵۷، مسند الحمیدی:۳۴۱، الترمذی:۱۵۹۷، والنسائی فی المجتبیٰ ۴۱۸۱، وفی الکبریٰ: ۷۸۱۳، ابن ماجہ:۲۸۷۴ واسنادہ صحیح

[۵۵] صحیح بخاری وصحیح مسلم

[۵۵] صحیح مسلم:۵۹۱

www.KitaboSunnat.com

بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔''

③ کسی کے گھر جائے تو اس سے اجازت لے اور اسے سلام کہے اور بغیر اجازت اس کے گھر میں داخل نہ ہو:﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (النور:٢٧)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔یہی بات تمہارے لیے سراسر بہتر ہے تاکہ تم سبق حاصل کرلو۔''

حدیث شریف میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تم سے کوئی تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور گھر سے اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ آئے۔اسی طرح آپ ﷺ پہلے سلام کرتے اور پھر داخل ہونے کی اجازت طلب کرتے۔ (٥٦)

④ اللہ تعالیٰ نے سلام کے جواب میں اس سے بہتر کلمات کہنے کا حکم دیا ہے یا پھر کم ازکم وہی کلمہ جواب میں پیش کردیا جائے:﴿وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا﴾ (النساء:٨٦)

''جب کوئی شخص تمہیں سلام کہے تو تم اس سے بہتر اس کے سلام کا جواب دو۔یا کم ازکم وہی کلمہ کہہ دو یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب رکھنے والا ہے۔''

⑤ سلام پیش کرنے والے کو بلا وجہ،بغیر تحقیق کے غیر مؤمن خیال نہیں کرنا چاہئے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا...﴾ (النساء:٩٤)

''اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو (جہاد پر نکلو) تو اگر کوئی شخص تمہیں سلام کہے تو اسے (بلاتحقیق) یہ نہ کہا کرو کہ تم مؤمن نہیں ہو بلکہ اس کی تحقیق کرلیا کرو۔''

⑥ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اہل ایمان کو سلام کرنے کا حکم دیا ہے۔

﴿وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ...﴾ (الانعام:٥٤) ''اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں

---

(٥٦) صحیح بخاری:٦٢٤٥،مسند احمد:١٣٨/٣

www.KitaboSunnat.com

پر ایمان لاتے ہیں تو آپ انہیں کہئے: سلام علیکم (یعنی تم پر سلامتی ہو) تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔''

⑦ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاے کرام پر سلامتی بھیجتا ہے: ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى...﴾ (النمل:۵۹) ''آپ ان سے کہئے کہ سب طرح کی تعریف اللہ کو سزاوار ہے اور اس کے بندوں پر سلامتی ہو، جنہیں اس نے برگزیدہ کیا، نیز فرمایا:

﴿وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (الصافات:۱۸۱)

''اور سلامتی ہے اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء کرام پر۔''

⑧ اللہ تعالیٰ اور فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے رہتے ہیں اور ایمان والوں کو حکم فرمایا کہ تم لوگ بھی نبی ﷺ پر درود بھیجتے رہو:

﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (الاحزاب:۵۶) ''اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی اس پر درود وسلام بھیجا کرو۔''

⑨ کافروں، مشرکوں اور جاہلوں سے سلام کا طریقہ یہ ہے:

❶ ﴿وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ﴾ (القصص:۵۵)

''اور جب (اہل ایمان) مشرکین سے کوئی لغو بات سنتے ہیں تو کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ تم پر سلام! ہم جاہلوں سے تعلق رکھنا نہیں چاہتے۔''

یہ سلام، سلامِ تحیہ نہیں ہے کہ جس میں اہل ایمان کے لیے سلامتی اور رحمت کی دعائیں کی جاتی ہیں بلکہ یہ سلامِ مبارکہ ہے اور جاہلوں سے مراد جاہل و بے علم مراد نہیں بلکہ جو شخص جہالت اور کٹ حجتی پر اُتر آئے۔ اہل ایمان کو ایمان اختیار کرنے کی وجہ سے طعنہ دے اور لعنت وملامت کرے اور بدتمیزی پر اُتر آئے۔ ایسے لوگوں سے یہ کہنے کا حکم دیا جارہا ہے کہ ہم تم جیسے جاہلوں سے اُلجھنا نہیں چاہتے کیونکہ تم حق کو سمجھنے کے روادار ہی نہیں ہو۔

www.KitaboSunnat.com

اُردو زبان میں محاورہ ہے کہ جاہلوں کو دور سے سلام۔ ظاہر ہے کہ یہاں سلام سے مراد ترکِ مخاطبت اور ان جاہلوں سے جان چھڑانا مراد ہے۔ ان آیات کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ دشمنانِ حق پر امن وسلامتی کی دعائیں بھیجی جائیں۔ اس آیت کا یہ مطلب اس آیت کے سیاق وسباق اور شانِ نزول کو نظر انداز کردینے کی وجہ سے ہے اور صاف واضح ہورہا ہے کہ یہ منکرِحق قرآنِ مجید میں تحریف کا روادار ہے۔

❷ دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ (الفرقان:٦٣)

''اور رحمٰن کے حقیقی بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری سے چلتے ہیں اور اگر جاہل ان سے مخاطب ہوں تو بس سلام کہہ کر کنارہ کش رہتے ہیں۔''

ظاہر ہے کہ اس آیت میں بھی اہل ایمان جاہلوں کی بدتمیزی، لغویات اور بے ہودہ باتوں کا جواب دینے کے بجائے اُنہیں سلام مذکورہ کرکے ان سے دور ہوجاتے ہیں۔ موجودہ دور کے بعض منکرین حدیث نے ان آیات سے مشرکوں اور کافروں کو سلام کرنے کا جواز پیش کیا ہے۔

❸ اُنہوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعے سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب ان کے والد نے ان کو گھر سے نکال دیا تو جاتے ہوئے اُنہوں نے بھی سلام علیك کہا تھا اور ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا قرآنِ مجید میں ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس سلام میں بھی ترکِ مخاطبت کا اظہار ہے جیسا کہ اوپر کی آیات میں اس بات کا ذکر ہوا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا۔ لیکن جب اُنہیں معلوم ہوا کہ ان کی وفات کفر پر ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام نے اس سے براءت کا اظہار فرما دیا۔ (التوبہ:١١٤)

ان آیات میں مشرکوں اور کافروں کو کہاں سلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟ پھر قولِ لغو اور سلام دونوں ایک دوسرے کے متضاد ہیں اور اہل جنت، جنت میں لغو اور گناہ کی کوئی بات نہیں سنیں

www.KitaboSunnat.com

گے بلکہ اُنہیں وہاں سلام ہی سلام سننے کو ملے گا۔(الواقعہ:۲۶ نیز سورۂ مریم:۶۲) احادیث کے انکار کے ساتھ ساتھ منکرین کی مت بھی ماری جاچکی ہے اور یہ قرآنِ مجید پر تدبر اور غوروفکر سے بھی محروم ہوچکے ہیں۔ ان منکرین کو اگر کوئی گالیوں سے نوازے اور بُرا بھلا کہے تو کیا یہ اُنہیں سلام کا تحفہ پیش کریں گے یا مرنے مارنے پر تیار ہوجائیں گے؟ اگر یہ منکرین ان آیات کے سیاق وسباق کو بھی غوروفکر سے پڑھتے تو کبھی بھی اتنی بڑی جہالت کا مظاہرہ نہ کرتے۔

❹ یہی مضمون ایک دوسرے مقام پر اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾ (الزخرف:۸۹)

''پس آپ ان سے منہ پھیر لیں اور کہہ دیں: اچھا بھائی سلام! اُنہیں عنقریب (خود ہی) معلوم ہوجائے گا۔''

نبی ﷺ کو کافروں سے منہ پھیرنے کا حکم دیا جارہا ہے اور کافروں کو یہ دھمکی بھی دی گئی ہے کہ انہیں عنقریب معلوم ہوجائے گا اور اصل حقیقت بھی ان پر عنقریب کھل جائے گی۔

ظاہر ہے کہ کافروں کی ریشہ دوانیوں اور اسلام سے ان کی بیزاری اور نبی کریم ﷺ سے گستاخی اور ان کی لغویات پر ان سے الگ ہونے اور سلام مفارقت کہنے کا کہا گیا ہے نہ کہ ان آیات میں انہیں سلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز ملت ابراہیمی سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کرنا اور شرک سے بیزاری کا اعلان کرنا ہے نہ کہ ان مشرکوں کو سلام کا تحفہ پیش کرنا ہے۔ فافهم وتدبَّر

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو اہل ایمان کو سلام کرنے کا حکم دیا ہے۔(الانعام:۵۴) اسی طرح جو تمہیں سلام پیش کرے تو اسے بلاتحقیق غیر مؤمن قرار نہ دیا جائے بلکہ مؤمن سمجھ کر اس کے سلام کو قبول کرلیا جائے۔(النساء:۹۴) اور کافروں اور مشرکوں کو سلام کہنے کا قرآن مجید میں کہیں بھی حکم نہیں دیا گیا ہے۔

⑩ جنت میں سلام کا مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کا نام ہی 'دارالسلام' رکھا ہے:

﴿لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الانعام:۱۲۷)

''ایسے لوگوں کے لیے ان کے پروردگار کے ہاں سلامتی کا گھر (جنت) ہے اور ان کے نیک

www.KitaboSunnat.com

اعمال کرنے کی وجہ سے وہ ان کا سرپرست ہوگا۔''

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

''اور اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے اور وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔'' (یونس:۲۵)

⑪ جس وقت فرشتے مؤمنوں کی جان قبض کرتے ہیں اس وقت بھی وہ انہیں سلام کرتے ہیں۔ ﴿اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (النحل:۳۲)

''وہ پرہیزگار جو پاک سیرت ہوتے ہیں، فرشتے ان کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو کہتے ہیں: ''سلام علیکم'' تم پر سلام ہو جو اچھے عمل کرتے رہے۔ اس کے صلے میں جنت میں داخل ہوجاؤ۔''

⑫ جنتیوں کو جنت میں داخل کرتے وقت کہا جائے گا:

﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ آمِنِيْنَ﴾ (الحجر:۴۶) ''امن وسلامتی کے ساتھ ان جنتوں میں داخل ہوجاؤ'' اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ، ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ﴾ (ق:۳۴)

''تم اس جنت میں امن وسلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ یہ ہمیشہ کا دن ہے۔''

(نیز ملاحظہ فرمائیں الواقعہ:۹۱، الفرقان:۷۵)

⑬ اور اصحابُ الاعراف بھی جنتیوں پر سلام بھیجیں گے:

﴿وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ﴾ (الاعراف:۴۶) ''اور اعراف (جنت وجہنم کی بلندیوں) پر کچھ لوگ ہوں گے یہ ہر ایک (جنتی وجہنمی) کو اس کی علامت سے پہچانیں گے اور جنت والوں کو آواز دے کر کہیں گے تم پر سلامتی ہو'' یہ لوگ (اب تک) جنت میں داخل تو نہیں ہوئے ہوں گے مگر اس کے امیدوار ہوں گے۔''

⑭ اللہ تعالیٰ بھی جنتیوں کو سلام کہے گا ﴿سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ (یٰسٓ:۵۸) ''مہربان پروردگار فرمائے گا (تم پر) سلامتی ہو۔'' ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

www.KitaboSunnat.com

﴿تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا﴾ (الاحزاب:۴۴)

''جس دن وہ (جنتی) اللہ سے ملاقات کریں گے تو ان کا استقبال لفظ 'سلام' سے ہوگا۔''

سلام کہنے کی جنت میں تین صورتیں ہوں گی:۱) اللہ تعالیٰ انہیں سلام کہے گا۔۲) فرشتے انہیں سلام کہیں گے۔۳) جنتی ایک دوسرے سے ملتے وقت سلام کہیں گے۔

⑮ ملائکہ جنتیوں پر جنت میں سلام بھیجتے رہیں گے:

﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَائِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ، سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ (الرعد:۲۳،۲۴) ''وہ گھر جو ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے ساتھ ان کے آباؤ اجداد ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں وہ بھی داخل ہوں گے اور فرشتے (جنت کے) ہر دروازے سے ان کے استقبال کو آئیں گے اور کہیں گے تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم (دنیا میں مصائب پر) صبر کرتے رہے۔ سو یہ آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے۔'' (ابراہیم:۲۳، الزمر:۷۳)

⑯ جنتی آپس میں ملتے وقت سلام کہیں گے:

﴿دَعْوٰهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلَامٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (یونس:۱۰) ''جنت میں صالحین کی پکار یہ ہوگی، اے اللہ تو پاک ہے'' اور ان کی آپس میں (ملاقات کے وقت) دعا ہوگی ''تم پر سلامتی ہو'' اور ان کا خاتمہ کلام یہ ہوگا کہ سب طرح کی تعریفیں اس اللہ کے لیے ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔''

ان وضاحتوں سے ثابت ہوگیا کہ 'سلام' کا اسلام میں کیا مقام ہے اور قرآن مجید میں سلام کی اہمیت پر کس قدر وضاحت سے روشنی ڈالی گئی ہے اور بالخصوص جنت میں سلام کے متعلق جو وضاحتیں گزری ہیں، اس سے سلام کی اہمیت کا اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے۔ نیز سلام کے بعد مصافحہ کرنا سونے پر سہاگہ کا مصداق ہے اور اس سے دوسرے مصافحہ کرنے والوں کے گناہ بھی معاف ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو پورے اسلام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

www.KitaboSunnat.com

مکارمِ اخلاق

مرزا عمران حیدر

صلہ رحمی اور اسلامی معاشرہ

ترقی کے اس دور میں انسان مشین کی طرح کام کرنے لگا ہے۔ ہر شخص اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ بہتر انداز میں استعمال کرنا چاہتا ہے جس سے اس کی زندگی خاصی مصروف ہوگئی ہے۔ دولت کی طلب، کاروبار اور نوکری کی مجبوریوں اور بہتر طرزِ زندگی کے حصول کی خواہش کے پیش نظر ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کے رجحان میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ افراد کی یہ بڑھتی ہوئی سرگرمیاں اور نقل مکانی اس کے خاندانی نظام پر اثر انداز ہو رہی ہیں۔

برصغیر میں مضبوط خاندانی نظام موجود تھا۔ خاندان اور برادری کی روایات سے انحراف کوئی آسان کام نہ تھا۔ نصف صدی قبل جو نظام رائج تھا، آج اس میں وہ دم خم باقی نہیں رہا۔ یہ بات درست ہے کہ ہمارے معاشرے اور خاندانی نظام میں بہت سی غیر اسلامی اور فرسودہ رسومات رائج تھی۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے خاندانی نظام میں اُخوت و بھائی چارے، باہمی تعاون، خیر خواہی، بزرگوں کے احترام اور مالی و اخلاقی تعاون سمیت بہت سی شاندار روایات بھی پائی جاتی ہیں۔

اسلام ہر علاقے اور قوم کی روایات کا احترام سکھاتا ہے، البتہ اس تہذیب میں موجود اسلامی تعلیمات اور اُصولوں سے متصادم روایات کی اصلاح بھی ضروری سمجھتا ہے۔ کسی معاشرے کی روایات سے غلط عقیدے اور غلط رویوں کو نکال دیا جائے تو اسلام اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ عصر حاضر، جس میں خاندانی اقدار تیزی سے تبدیل ہو رہی ہیں، اگر یہ تبدیلی اسلامی تعلیمات اور سوچ کے زیر اثر ہوتی تو یقیناً ہم اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہوتے جبکہ اقدار میں یہ تبدیلی زیادہ تر میڈیا کے زیر اثر ہو رہی ہے۔ ہمارا میڈیا اسلامی معاشرے کی نہیں بلکہ مادہ پرست اور خود غرض مغرب کی سوچ کی نمائندگی اور عکاسی کر رہا ہے۔ نتیجے کے طور پر مغرب اور سرمایہ دار معاشرے کی خرابیاں آہستہ آہستہ ہمارے معاشرے میں سرایت کر رہی ہیں

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور اعلیٰ خاندانی روایات کا حامل ہمارا معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے جو نہ تو روایتی مثالی معاشرہ رہا اور نہ ہی اسلام کے زرّیں اُصول اس میں نظر آتے ہیں۔

شہری آبادی کی حالت زیادہ قابل رحم ہے۔ جہاں مختلف علاقوں کے لوگ آ کر آباد ہو رہے ہیں۔ جن کی حالت یہ ہے کہ لوگ اپنے ہمسائے کے نام تک سے بے خبر ہوتے ہیں۔ ایسے میں کسی مضبوط عقیدے اور عمدہ تربیت کے بغیر انسانی ہمدردی یا اسلامی بھائی چارے کی فضا کا پیدا ہونا مشکل ہے۔ ایسے ماحول میں برائیاں جلدی اور آسانی سے پھیلتی ہیں۔ دیہات یا خاندانی کلچر میں ایک آدمی کو کسی غیر اخلاقی کام کرنے کی جلد جرات نہیں ہوتی۔ اس کے دل میں خاندان، برادری، محلّہ دار یا بزرگ شخصیات کا خوف اور حیا ہوتا ہے۔ وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرنا چاہتا جس کی وجہ سے مذکورہ بالا شخصیات میں سے کوئی اسے ہدف تنقید بنائے۔ یہ معاشرتی دباؤ اسے بہت حد تک برائیوں سے روکے رکھتا ہے۔

جدید دور میں آزادی اور حقوق کے دل فریب اور پُرفتن نعرے کی آغوش میں مادر پدر آزاد معاشرہ تشکیل پا رہا ہے جس میں ایک طرف کسی قسم کی قدغن نہ ہونے کی وجہ سے گناہ اور غیر اخلاقی سرگرمیاں معاشرے کو گھن کی طرح چاٹ رہی ہیں اور دوسری طرف خاندانی نظام کے حصے بخرے ہو رہے ہیں۔ خاندانوں میں رائج عمدہ روایات دم توڑ رہی ہیں۔ صلہ رحمی، باہمی تعاون، غم خواری اور انسانی ہمدردی کا وجود عنقا ہوتا جا رہا ہے۔ ان حالات میں جب اسلامی اُصولوں کو بھی نظر انداز کیا جاتا ہے تو اس سے تیزی سے بگڑتے ہوئے معاشرے کی ابتری میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اسلام جہاں معاشرے کو گناہوں سے بچانے کے لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وسیع نظام دیتا ہے، وہاں خاندانوں اور ان کی عمدہ روایات کو تحفظ دینے کے لیے صلہ رحمی کے اُصول کو لازم قرار دیتا ہے۔ اسلامی حکومت ہر فرد کو بنیادی ضروریات مہیا کرنے کے اسباب پیدا کرتی ہے۔ اس کے بعد رشتہ داروں اور تمام لوگوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ صلہ رحمی اور اسلامی اخوت کے جذبے سے محروم طبقے کا دست و بازو بنیں۔ اس طرح ایک صحت مند اور مثبت معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر محروم طبقوں کو کسی طرف سے جذبہ خیر سگالی یا تعاون کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو وہ پس کر رہ جاتے ہیں اور جرائم کی دنیا میں قدم رکھ کر

www.KitaboSunnat.com

معاشرے سے انتقام لیتے ہیں یا پھر مایوسی کا شکار ہوکر خودکشی کی حرام موت مرتے ہیں۔سرمایہ دارانہ ذہن نے ناگہانی حالات سے نمٹنے کے لیے انشورنس کی صورت میں حل پیش کیا ہے لیکن اس سُودی نظام سے کسی کو ریلیف تو کیا ملتا یہ تو خود بہت ساری خرابیوں کی بنیاد ہے۔

صحت مند تعمیری معاشرتی سرگرمیوں کے لیے صرف مادی وسائل کا ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ایک انسان خوشی اور غمی کے مواقع کو بانٹنا چاہتا ہے۔خوشی کے موقع پر رشتہ داروں اور دوست احباب کی شمولیت خوشی کو دوبالا کردیتی ہے اور مصیبت و پریشانی کے وقت انہی لوگوں کا ساتھ غم کے زخم مندمل کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔اسلام نے اس فطری تقاضے کے پیش نظر صلہ رحمی کو دین کا حصہ اور قطع رحمی کرنے والے کی مذمت کی ہے۔اس لیے ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ صلہ رحمی کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرے۔

صلہ رحمی کی فضیلت

① صلہ رحمی ایمان کا تقاضا ہے:

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: «من كان يؤمن بالله واليوم الاخر فليصل رحمه» [صحیح بخاری:٦١٣٨]

''حضرت ابوہریرہؓ، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: آپؐ نے فرمایا کہ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے صلہ رحمی کرنی چاہئے۔''

② صلہ رحمی سے عمر اور رزق میں اضافہ ہوتا ہے:

عن أنس بن مالك أن رسول الله ﷺ قال: «من أحب أن يبسط له في رزقه وينسأله في أثره فليصل رحمه» (صحیح بخاری:٥٩٨٦]

''انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جسے یہ بات پسند ہے کہ اس کا رزق فراخ اور عمر دراز ہو تو اسے صلہ رحمی کرنی چاہئے۔''

عمر میں اضافہ سے مراد یا تو عمر میں برکت ہے یا اللہ تعالیٰ صلہ رحمی کرنے والے کی عمر میں حقیقی طور پر اضافہ فرما دیتے ہیں۔علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''رزق کی دو قسمیں ہیں:

ا) جس کا علم اللہ کو ہے کہ اس نے بندے کو یہ رزق دینا ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

www.KitaboSunnat.com

۲) جو اللہ تعالیٰ نے لکھا اور فرشتوں کو بتایا۔ تو یہ اسباب کے ساتھ کم یا زیادہ ہوتا ہے۔''

③ صلہ رحمی سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے:

عن النبي ﷺ قال: «إن الله خلق الخلق حتى إذا فرغ من خلقه قالت الرحم هذا مقام العائذ بك من القطيعة قال: نعم أما ترضين أن أصل من وصلك وأقطع من قطعك قالت: بلى يا ربّ قال فهو لك»

(صحیح بخاری:۵۹۸۷)

''اللہ تعالیٰ جب مخلوق کی تخلیق سے فارغ ہوئے تو رحم نے کہا: یہ قطع رحمی سے تیری پناہ مانگنے کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں کیا تو اس بات سے راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے گا، اسے میں جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے گا، اسے میں توڑوں گا۔ کہا: کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو اب ایسے ہی ہوگا۔''

④ صلہ رحمی جنت میں داخلے کا بڑا سبب ہے:

عن أبي أيوب الأنصاري أن رجلاً قال يا رسول الله ﷺ! أخبرني بعمل يدخلني الجنة؟ فقال رسول الله ﷺ: «تعبدالله لا تشرك به شيئًا وتقيم الصلاة وتؤتي الزكاة وتصل الرحم» (صحیح بخاری:۵۹۸۳]

''ابو ایوب انصاری روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: یارسول اللہ ﷺ مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کردے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور صلہ رحمی کرو۔''

⑤ صلہ رحمی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ صلہ رحمی کرنے والوں کی تعریف کرتے اور اسے اپنے حکم کی بجا آوری گردانتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ أَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْءَ الْحِسَابِ﴾ (الرعد:۲۱)

''اور وہ لوگ ہیں کہ جنہیں ملانے کا اللہ نے حکم دیا، اُنہیں ملاتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور بُرے حساب سے ڈرتے ہیں۔''

⑥ رشتہ داروں کے مابین محبت پھیلنے کا ذریعہ ہے۔ صلہ رحمی کے ذریعے رشتہ داروں میں محبت بڑھتی ہے۔ اسکے ذریعے ان کی زندگی خوشگوار گزرتی اور وہ زیادہ خوشی محسوس کرتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

⑦ عظمت اور احترام حاصل ہونے کا ذریعہ ہے: جب انسان رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہے، ان کی عزت و احترام کا خیال رکھتا ہے تو جواب کے طور پر وہ بھی عزت کرتے ہیں اور معاملاتِ زندگی میں اس کے معاون بن جاتے ہیں۔

صلہ رحمی کس طرح ہوسکتی ہے؟

صلہ رحمی کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ گاہے بگاہے رشتہ داروں سے ملاقات کی جائے۔ اگر فاصلہ زیادہ اور وقت کا مسئلہ ہو تو اس کے لیے مواقع خاص کئے جاسکتے ہیں مثلاً ہر سال عید کسی ایک جگہ یا مرکزی گھر میں اکٹھے منائی جائے۔ ان کے گھروں میں آیا جایا جائے۔ ان سے حال احوال پوچھتے رہیں۔ اب تو ٹیلی فون کی سہولت ہر جگہ میسر ہے، اس کے ذریعے رابطے میں رہا جائے۔ خاندان کے بڑوں کی عزت وتوقیر کی جائے۔ چھوٹی موٹی باتوں کو خواہ مخواہ ایشو یا اپنی اَنا کا مسئلہ نہ بنا لیا جائے۔ چھوٹوں پر شفقت کی جائے۔ خاندان کے غریب افراد پر صدقہ کیا جائے۔ روپے پیسے کے علاوہ پُرخلوص مشورے اور بہتر معاملات کی طرف رہنمائی کے ذریعے بھی ان کی معاونت ہوسکتی ہے۔ اُمرا کے ساتھ نرمی اور احترام کا معاملہ کیا جائے۔ اگر کوئی رشتہ دار گھر میں ملنے کے لیے آجائے تو اس کا اچھی طرح استقبال کیا جائے۔ جس حد تک ممکن ہو، ان کی خدمت کرکے خوشی محسوس کی جائے۔ خوشی اور غمی کے مواقع پر ان کے ساتھ شامل ہوا جائے، اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنی خوشی غمی کی محفلوں کو فرسودہ روایات سے پاک کردیں۔ تصنع اور نمود ونمائش کی بجائے سادگی سے کام لیا جائے تاکہ ایک دوسرے کے پروگراموں میں شمولیت اختیار کرتے ہوئے کوئی بوجھ محسوس نہ ہو۔ اگر ہمارے شادی کے پروگرام ہفتہ بھر جاری رہیں اور فوتگی کے موقع پر لمبے چوڑے رسوم و رواج چلتے رہیں تو لوگوں کے لیے ان میں شمولیت مشکل ہوجاتی ہے۔

باہمی محبت میں تحائف بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ حدیث نبویؐ ہے: «تحادّوا تحابّوا» ''ایک دوسرے کو تحفے دیا کرو، اس سے محبت پھیلتی ہے۔'' تحفہ خواہ کیسا ہی ہو، خوش دلی سے قبول کرنا چاہئے۔ تحفے کے بارے میں بھی نمود ونمائش اور اِسراف سے بچنا چاہئے تاکہ محبت بڑھانے کا یہ ذریعہ بوجھ نہ بن جائے۔ بیماروں کی عیادت کی جائے۔ سب سے اہم بات یہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ہر وقت رشتہ داروں کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ بھلائی کا حکم دیا جائے اور بُرائی سے روکا جائے۔ خاندان میں رائج غیر شرعی کاموں کی اصلاح کی جائے۔ ایک سنجیدہ اور باوقار انسان اگر خاندان کے معاملات میں دلچسپی لے تو اسے تبلیغ دین کے لیے بہترین پلیٹ فارم مل سکتا ہے۔

قطع رحمی کی سزا

① قطع رحمی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور لعنت کا سبب بنتی ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰى أَبْصَارَهُمْ﴾ (محمد:۲۲،۲۳)

''تو (اے منافقو) اگر تم (پیغمبر کا کہنا) نہ مانو (یا تم کو حکومت مل جائے) تو تم سے یہی توقع ہے کہ تم (جاہلیت کے زمانہ کی طرح پھر) ملک میں دھند مچاؤ گے اور ناطے توڑو گے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان کو (سچی بات سننے سے) بہرہ کر دیا ہے اور (سیدھا راستہ دیکھنے سے) ان کی آنکھوں کو اندھا بنا دیا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ زمین میں فساد پھیلانے اور قطع رحمی کرنے سے اللہ تعالیٰ لعنت ڈالتے اور دیگر بہت سی سزائیں دیتے ہیں۔

② قطع رحمی کرنے والے فاسق ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ﴾ (البقرۃ:۲۶،۲۷)

''اور وہ گمراہ انہیں کو کرتا ہے جو حکم نہیں مانتے جو اللہ تعالیٰ کے اقرار کو پکا کر کے پھر توڑتے ہیں اور جس کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اسے چھوڑتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے ہیں، یہی لوگ خسارا پانے والے ہیں۔''

③ قطع رحمی کرنے والے کو آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی سزا ملتی ہے:

عن أبي بكر أن رسول الله ﷺ قال: «ما من ذنب أجدر أن يعجل الله لصاحبه العقوبة في الدنيا مع ما يدخر له في الاخرة مثل البغي وقطيعة

www.KitaboSunnat.com

الرحم» [سنن ابوداؤد:۴۹۰۲]

''ابوبکر صدیقؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بغاوت اور قطع رحمی کے علاوہ کسی اور کو اللہ تعالیٰ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتے۔ ان دونوں عملوں کے مرتکب کو اللہ تعالیٰ دنیا میں فوراً سزا دیتے ہیں اور آخرت میں بھی اُنہیں سزا ملے گی۔''

④ قطع رحمی کرنے والے کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا:

عن أبي هريرة قال سمعت النبي ﷺ يقول: «إن أعمال بني آدم تعرض على الله تبارك وتعالىٰ عشية كل خميس ليلة الجمعة فلا يقبل عمل قاطع رحم» (مسند احمد:۹۸۸۳ 'ورجالہ ثقات')

''ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: بنی آدم کے اعمال جمعرات کی شام اور جمعہ کی رات کو اللہ تعالیٰ کے پاس پیش کئے جاتے ہیں تو آپ قطع رحمی کرنے والے کے عمل کو قبول نہیں کرتے۔''

⑤ قطع رحمی کرنے والا اللہ تعالیٰ سے دور ہوجاتا ہے:

عن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ: «الرحم معلقة بالعرش تقول: من وصلني وصله الله ومن قطعني قطعه الله» (صحیح مسلم:۶۵۱۹)

''حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صلہ رحمی اللہ تعالیٰ کے عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے اور کہتی ہے۔ جس نے مجھے ملایا اللہ تعالیٰ اسے ملائے گا اور جس نے مجھے کاٹا، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں سے کاٹ دے گا۔''

⑥ جنت سے محرومی: قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لايدخل الجنة قاطع» (جامع ترمذی:۱۹۰۹)

''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

صلہ رحمی کے لیے معاون اُمور

سب سے پہلے ہمیں صلہ رحمی کے لیے اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کوئی کام کرنا ممکن نہیں ہے۔ پھر ہمیں صلہ رحمی کے فوائد اور قطع رحمی کے نقصانات کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ قرآن و حدیث میں موجود ترغیب اور ترہیب کی باتیں پڑھنے سے ایک مسلمان شعوری طور پر صلہ رحمی کرنے کی کوشش کرے گا۔ قطع رحمی کی عقوبتوں کو مدنظر رکھتے

www.KitaboSunnat.com

ہوئے وہ حتی الوسع اس سے بچنے کی کوشش کرے گا۔

رشتہ داروں کی طرف سے اگر کوئی ناپسندیدہ بات سامنے آئے تو اس کی اچھی تاویل کی کوشش کرنی چاہئے اور اگر وہ معذرت کریں تو اسے قبول کرنا چاہئے۔ ہر وقت بدلہ لینے کی فکر نہیں کرنی چاہئے۔ جہاں تک ہوسکے، بُرائی کا بدلہ احسان سے دینا چاہئے۔ البتہ کسی کی تربیت کے لیے اور غیر شرعی کاموں پر تنبیہ کے ساتھ ناراضگی کا اظہار بھی ہونا چاہئے۔

ہنسی مزاح میں اعتدال کا دامن کسی صورت نہیں چھوڑنا چاہئے۔ بسا اوقات یہ ہنسی مزاح حد سے بڑھ جاتا ہے اور بڑے فتنے کا سبب بنتا ہے۔ جس حد تک ممکن ہو، ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیتے رہنا چاہئے۔ حدیثِ نبویؐ کے مطابق اس سے محبت بڑھتی ہے۔ مالی معاملات میں تعاون کرنا چاہئے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ خاندان کا ایک باہمی تعاون کا فنڈ بنا لیا جائے جس میں ہر فرد بقدرِ استطاعت حصہ ڈالتا رہے۔ اس فنڈ سے خوشی، غمی کے موقعوں پر خاندان کے ضرورت مند افراد سے تعاون کیا جائے۔ صلہ رحمی کے لیے ایک اہم صورت یہ ہے کہ سادہ اور شرعی طرزِ زندگی اختیار کی جائے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو اَنا کا مسئلہ نہیں بنا لینا چاہئے۔ ہمارے معاشرے میں شادی بیاہ اور غمی کے مواقع کے لیے کچھ عجیب وغریب رسومات رائج ہوچکی ہیں جن کو پورا کرنے کے اصرار پر جھگڑے ہونا معمول کی بات بن چکی ہے۔ لاحاصل باتوں میں اُلجھ کر توانائیاں اور صلاحیتیں ضائع کرنے سے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ ہر بڑے کا احترام اور چھوٹے پر شفقت ہونی چاہئے۔

قطع رحمی کے اسباب

① **جہالت:** قطع رحمی کا سب سے بڑا سبب شعوری یا لاشعوری جہالت ہے۔ عموماً لوگوں کو اس بارے میں شرعی تعلیمات کی واقفیت نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ صدیوں سے رائج رسوم و رواج پر عمل پیرا ہیں۔ ہمیں یہ مسئلہ عام مجالس میں موضوعِ سخن بنانا چاہئے جس سے بہت سے لوگ شعوری طور پر صلہ رحمی کی کوشش کریں گے۔

② **غربت:** بنیادی طور پر غربت قطع رحمی کا سبب نہیں ہے لیکن ہم نے اسے اہم سبب بنا لیا ہے۔ اس کی وجہ جہالت اور برادری کلچر کی اندھا دھند تقلید ہے۔ ہم نے خوشی اور غمی کے مواقع پر ایسی رسومات اختیار کی ہوئی ہیں جنہیں پورا کرنا غریب آدمی کے بس کی بات

www.KitaboSunnat.com

نہیں جبکہ ان تمام رسومات کا تعلیمات اسلامیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔مثال کے طور پر شادی کے موقع پر کسی کی دی ہوئی رقم سے زیادہ رقم سلامی کے طور پر دینا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ اپنی حیثیت کے مطابق تحفہ دیا جائے تو ٹھیک وگرنہ شکایت ہوگی۔ یہ تصور سود کے مشابہ ہے یا پھر غمی کے موقع پر بعض رشتہ داروں کے لئے ضروری تصور کیا جاتا ہے کہ وہ دوسروں کو لازماً کھانا کھلائیں۔ یہ رشتہ دار عموماً گھر کی بہو کے عزیز و اقارب ہوتے ہیں۔ یہ ہندو تہذیب کے زیر اثر ہے۔ اسلام نے اہل محلّہ اور صاحبِ حیثیت لوگوں کو میت والے گھرانے سے تعاون کی تلقین کی ہے نہ کہ محض مخصوص رشتہ داروں پر اور پھر مقامی یا غیر مقامی تمام لوگ کھانے میں شریک ہوکر اسے ایک بڑا فنکشن بنا دیتے ہیں جس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

جو باتیں اخلاقیات اور باہمی تعاون سے متعلق تھی ہم نے اُنہیں زندگی کا لازمہ بنا لیا ہے۔اسراف وتبذیر کے ذریعے پیسے کا ضیاع بھی بڑھ گیا ہے۔ باہمی تعاون اور خیر خواہی کا جذبہ تو مفقود ہوتا گیا اور بے جا رسومات باقی رہ گئیں۔ ایسے میں لوگ ان مواقع پر حاضر ہونے سے اعراض کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔جنہیں مجبوراً شامل ہونا پڑتا ہے وہ خاندان میں ناک رکھنے کی خاطر ان رسومات کو پورا کرتے ہوئے قرض اور بہت سی دیگر خرابیوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔ یہ عیب صرف غریب لوگوں میں ہی نہیں پائے جاتے بلکہ ہر طبقے کے لوگوں نے اپنے اپنے خود ساختہ انداز اور معیار بنا رکھے ہیں۔ ان رسومات سے جان چھڑا کے صلہ رحمی کے زیادہ مواقع پیدا کئے جاسکتے ہیں۔

③ **دین سے دُوری:** جب کوئی شخص کمزور ایمان والا ہو، دینی اُمور کی پرواہ نہ کرے تو اسے قطع رحمی کی سزاؤں کی بھی پرواہ نہیں رہتی اور نہ ہی وہ خوفِ خدا کے تحت رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر وہ کسی سے ملتا بھی ہے یا حسن سلوک کا معاملہ کرتا ہے تو اس کے پیش نظر عموماً دو ہی باتیں ہوتی ہیں یا تو وہ برادری کی رسومات بجا لاتا ہے یا ذاتی مفاد مقصود ہوتا ہے۔ اس طرح پیار ومحبت اور خیر خواہی کے جذبات مخصوص رشتہ داروں تک محدود ہوجاتے ہیں اور اسلام کا پیش کردہ صلہ رحمی کا جذبہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔

④ **اخلاقِ رذیلہ:** اخلاق رذیلہ کی بہت سی صورتیں قطع رحمی کا سبب بنتی ہیں مثلاً تکبر واَنا پرستی۔

www.KitaboSunnat.com

اگر کوئی شخص کسی بڑے دنیاوی منصب پر فائز ہوجائے یا اللہ تعالیٰ اسے دولت سے نوازیں تو وہ غریب رشتہ داروں سے چھپتا پھرتا ہے کہ کہیں کوئی کام نہ کہہ دے یا پیسے نہ مانگ لے۔ اگرچہ اس رویے کے ذمہ دار وہ غربا بھی ہوتے ہیں جو اصلاحِ احوال کی بجائے دوسروں کے وسائل پر نظر رکھتے ہیں۔ مناسب تربیت اور تعاون کے ذریعے ان کی اصلاح ہوسکتی ہے۔

اخلاقِ رذیلہ کی مثال ہر وقت ہنسی مذاق یا غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا بھی ہے۔ بسا اوقات مذاق میں ایسی بات منہ سے نکل جاتی ہے جو دوسرے کو ناگوار گزرتی اور آپس میں دوری کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ علاوہ ازیں دنیا میں اس قدر مشغول ہوجانا کہ رشتہ داروں سے ملنے کے لیے وقت ہی نہ ملے یا رشتہ داروں سے ملتے وقت سرد مہری کا مظاہرہ کرنا، میاں بیوی کے درمیان ناچاقی، رشتہ داروں کی کوتاہیوں پر صبر نہ کرنا، وراثت کی تقسیم میں تاخیر، حسد، بُغض اور دیگر اخلاقی برائیاں قطع رحمی کی وجہ بن جاتی ہیں۔

صلہ رحمی کے حوالے سے چند گزارشات

ہمیں اپنے تمام رشتہ داروں کے ساتھ اپنے معاملات پر ایک نظر ڈالنی چاہئے۔ اس سے ہمیں اندازہ ہوجائے گا کہ کن کے ساتھ صلہ رحمی اور کن کے ساتھ قطع رحمی کا معاملہ چل رہا ہے۔ اگر ہمیں کسی خرابی کا علم اور احساس ہی نہ ہوگا تو اس کی اصلاح کیسے ممکن ہے؟ جب ہمیں ناراض لوگوں کا پتہ چل جائے تو ان سے صلہ رحمی کرنے کے طریقے سوچیں اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں، وہ ضرور ہماری مدد کرے گا۔ کیونکہ اسی کے ہاتھ میں تمام لوگوں کے دل ہیں اور وہ دلوں کو پھیرنے والا ہے۔ جو لوگ ہم سے راضی ہیں، وہ تو خوش ہیں ہی۔ ناراض لوگوں کو منانا اصل کام ہے۔ فرمانِ نبویؐ ہماری رہنمائی کررہا ہے:

عن أبي هريرة أن رجلاً قال: يا رسول الله ﷺ إن لي قرابة أصلهم ويقطعوني وأحسن اليهم ويسيئون إلي وأحلم عنهم ويجهلون علي فقال ﷺ: لئن كنت قلت فكأنما تسفهم الملّ ولا يزال معك من الله ظهير عليهم ما دمتَ على ذلك» (صحیح مسلم:۶۵۲۵)

''ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ قطع رحمی کرتے ہیں۔ میں ان سے احسان

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں۔ میں ان سے بُردباری سے پیش آتا ہوں اور وہ میرے ساتھ جہالت کا معاملہ کرتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر معاملہ تمہارے کہنے کے مطابق ہو تو جب تک تم ایسا کرتے رہو گے، تب تک ان کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مددگار تمہارے ساتھ رہے گا۔''

ایک اور حدیثِ طیبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«ليس الواصل بالمكافي ولكن الواصل الذي إذا قطعت رحمه وصلها»

''برابر بدلہ دینا صلہ رحمی نہیں ہے، صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔'' (صحیح بخاری:۵۹۹۱)

اس سے معلوم ہوا کہ احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دینا یا ملنے والوں سے ملنا تو مکافات کہلاتا ہے اور روٹھوں کو ملانا صلہ رحمی ہے۔

اس حوالے سے یہ حدیثِ طیبہ بھی غلط فہمی کو دور کرتی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

«المؤمن الذي يخالط الناس ويصبر على أذاهم أعظم أجرًا من المؤمن الذي لا يخالط الناس ولا يصبر على أذاهم» (سنن ابن ماجہ:۴۰۳۲)

''وہ مسلمان جو لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور ان کی طرف سے آنے والی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے، ایسے مسلمان سے بہتر ہے جو نہ لوگوں سے ملتا ہے اور نہ ان کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔''

حتیٰ کہ کسی کا مذہب اور عقیدہ بھی صلہ رحمی میں حائل نہیں ہونا چاہئے۔ واقعہ افک میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے بھانجے حضرت مسطح بھی منافقین کے بہکاوے کا شکار ہوگئے تو صدیق اکبرؓ نے ناراض ہوکر ان کی مالی امداد بند کردی۔ اللہ تعالیٰ نے حسن سلوک کے ترک کرنے کو اعلیٰ اقدار کے منافی قرار دیا اور برائی کا بدلہ اچھائی سے دینے کی تلقین فرمائی اور ایسا کرنے پر مغفرت کی خوشخبری سنائی: ﴿اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾

''کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرما دیں۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب یہ آیتِ مبارکہ سنی تو جواب دیا: بلیٰ یا ربنا إنا نحب

''کیوں نہیں! اے ہمارے ربّ یقیناً ہم پسند کرتے ہیں۔'' (تفسیر ابن کثیر بذیل تفسیر مذکورہ آیت)

واقعۂ اِفک نبوی اور صدیقی گھرانے کے لیے کوئی معمولی واقعہ نہ تھا، اس کے باوجود صلہ رحمی اور احسان کا طرزِ عمل اختیار کرنے کی ہی تلقین کی گئی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

تحقیق وتنقید

حافظ پروفیسر ڈاکٹر محمد دین قاسمی

قسط:۲/آخری

غلام احمد پرویز کے ایمان بالقرآن کی حقیقت

'مفکر قرآن' جس قدر قرآن، قرآن کی رٹ لگایا کرتے، اسی قدر وہ قرآنِ کریم سے گریزاں اور کتاب اللہ سے کنارہ کش تھے۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ وہ اپنے مقابلے میں جملہ اہل علم کو قرآن سے بے خبر اور جاہل قرار دیا کرتے تھے جس کی تفصیل پہلی قسط میں گزر چکی ہے۔ مفکر قرآن کے ایمان بالقرآن کی حقیقت ذلك قولهم بأفواههم سے زیادہ نہیں ہے۔ اگرچہ وہ اپنے ایمان بالقرآن کا ڈھنڈورا خوب پیٹا کرتے لیکن عملاً ان کے ہاں سند و معیار علماے مغرب کی تحقیقات تھیں۔ اس امر کے اثبات میں متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، لیکن مقالے کی تنگ دامنی کے سبب محض چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے، جن میں سے دو کا تذکرہ گذشتہ قسط میں ہوچکا ہے، مزید مثالیں یہاں ملاحظہ فرمائیں:

تیسری مثال: عمر نوح علیہ السلام

قرآنِ کریم بہ نص صریح یہ بیان کرتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال اپنی قوم میں رہے۔ ہر دور کے علماء و مفکرین، فقہاء و مجتہدین، اہل سیر و مؤرخین، نوح علیہ السلام کی عمر نو سو پچاس (۹۵۰) سال لکھتے اور مانتے چلے آرہے ہیں، حتیٰ کہ اسی مسئلہ میں اُن معتزلہ تک نے بھی انکار نہ کیا تھا جنہیں عقلی تیر تکّے لڑا کر دور کی کوڑی لاتے ہوئے نرالی اُپج اختیار کرنے کا شوقِ فضولیات بہ مقدارِ وافر ملا تھا مگر دورِ جدید میں معدودے چند لوگوں نے یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ وہ اس قدر طویل العمر نہیں تھے، بس زیادہ سے زیادہ دو اڑھائی سو سال تک ان کی عمر تھی۔ یہ بات اُنہوں نے کسی علمی تحقیق و تفتیش کی بنا پر نہیں کہی، بلکہ صرف اس لیے کہی کہ محسوسات کے خوگر انسان کو اس قدر لمبی عمر عقلاً مستبعد دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ عقل کے یہ غلام قرآنی نصوص میں قیاسی تیر تکّوں سے کام لے کر اس طویل العمری کو اس قدر قصیر العمری میں بدلنے پر جت گئے جس سے ان کی عقلی استبعاد کا ازالہ ہوجائے۔ اس سلسلہ میں آنجہانی غلام احمد پرویز کی عمر بھر کی قرآنی تحقیق و تدقیق کا ثمرہ ملاحظہ فرمائیے۔ لیکن پہلے وہ آیت ایک نظر دیکھ لیجئے جس میں عمر نوحؑ، ۹۵۰ سال مذکور ہے:

www.KitaboSunnat.com

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا﴾
(العنکبوت:۱۴)

''ہم نے نوحؑ کو اسکی قوم کی طرف بھیجا تو وہ پچاس سال کم ایک ہزار سال انکے درمیان رہا۔''

اب قرآنِ کریم کی اس صراحت کے بعد 'مفکرِ قرآن' صاحب مفہوم آیت کو مسخ وتحریف کا نشانہ بنانے کی خاطر خواہ مخواہ یہ سوال اُٹھاتے ہیں:

''اس سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت نوحؑ کی عمر ساڑھے نو سو سال تھی۔''
(تفسیر مطالب الفرقان:۵/۲۳۷)

نہ معلوم کہ یہ سوال کہاں سے اور کیونکر پیدا ہوگیا؟ جب کہ قرآنِ کریم نے بالفاظِ صریح خود ساڑھے نو سو سال کی عمر بیان کردی ہے۔ حتیٰ کہ خود پرویز صاحب کا اپنا ترجمہ آیت بھی اسی حقیقت کو واضح کررہا ہے۔

''اور ہم نے نوحؑ کو اُس کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان میں پچاس برس کم، ہزار سال رہا۔''
(تفسیر مطالب الفرقان:۵/۲۳۷)

اس کے بعد اپنے موقف کے اثبات کے لیے ایک سے بڑھ کر ایک رکیک تاویلات پیش کی ہیں۔ جن کی تردید کی یہاں گنجائش نہیں، جو اہل علم اس پوری بحث کو دیکھنا چاہیں وہ میری کتاب 'تفسیر مطالب الفرقان کا علمی اور تحقیقی جائزہ' کا مطالعہ فرمائیں۔

انکارِ طول عمر کی لِم

'مفکر قرآن' کے نزدیک خدائے قدوس کی بیان کردہ کسی حقیقت کی تردید کے لیے بس یہی بات کافی ہے کہ وہ اسے عقلاً مستبعد سمجھتے ہوں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''عربی لغت میں سنة کا اِطلاق فصل پر بھی ہوتا ہے جو سال میں چار ہوتی ہیں یعنی چار فصلوں کا ایک سال ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ألف سنة کے معنی ہوں گے اڑھائی سو سال اور عامًا پورے سال کو کہتے ہیں۔ اس لیے اگر خمسین عامًا (پچاس سال) کو اس میں سے منہا کردیا جائے تو باقی دو سو سال رہ جاتے ہیں اور اتنی عمر کچھ ایسی مستبعد نہیں۔''

لمبی عمر کو عقلاً مستبعد جاننا، یہ ہے وہ لِم جو اللہ کی بیان کردہ صریح اور واضح مدت کی تاویل بلکہ تحریف کی تہہ میں کارفرما ہے۔ 'مفکر قرآن' کی یہ 'تحقیق' اپنی پُشت پر کوئی علمی قوت

www.KitaboSunnat.com

نہیں رکھتی، بلکہ یہ محض ظن وتخمین اور قیاس ورائے کا نتیجہ ہے جس کی تہہ میں لمبی عمر کا استبعادِ عقلی ہی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ خود بھی خدا کی صریح اور واضح مدت کے مقابلہ میں اپنی قصیر العمری کی تاویل پیش کرنے کی جسارت کرتے بھی ہیں تو اُنہیں قیاسات سے بالاتر کوئی اہمیت نہیں دیتے، جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں:

''یہ بہرحال قیاسات ہیں، تاریخی تحقیقات کسی یقینی نقطہ تک پہنچیں گی تو اس کا حتمی مفہوم سامنے آئے گا۔'' (مفہوم القرآن: ص۹۱۲)

کیا ستم ظریفی ہے کہ فرمانِ ایزدی ﴿فَلَبِثَ فِيهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا﴾ (العنکبوت:۱۴) سے تو حتمی معنی واضح نہیں ہوتا، اس لیے قیاسات اورظن وتخمین کے گھوڑے دوڑائے جارہے ہیں اور ساتھ ہی تاریخی تحقیقات کا انتظار ہورہا ہے کہ وہ آکر قرآن کے ان 'غیر واضح مفاہیم' میں سے کسی 'حتمی مفہوم' کا تعین کریں گی۔

بموخت عقل ز حیرت ایں چہ بوالعجبی است

عمر نوحؑ اور اقتباساتِ پرویز

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس مقام پر پرویز صاحب ہی کے ماضی کے دو اقتباسات پیش کردیں تاکہ ان کی 'مفکر قرآن' ہونے کی حیثیت کے ساتھ 'شہنشاہِ تضادات' ہونے کی حیثیت بھی واضح ہوجائے:

''دور حاضر کے انسان کے لیے جو سوا سو سال کے عمر کے آدمیوں کو دور دور سے دیکھنے کے لیے آتا ہے، اور نہایت حیرت واستعجاب سے ان سے اس درازیٔ عمر کے اسباب دریافت کرتا ہے۔ اتنی لمبی عمر بمشکل یاد کئے جانے کے قابل ہے (اس وجہ سے بعض احباب عاماً سے مراد مہینے لینے پر مجبور ہورہے ہیں) لیکن حضرت نوحؑ کا زمانہ قبل از تاریخ ہے جس کی تفاصیل کے متعلق ابھی تک بالتحقیق کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔ (تورات کی رو سے) حضرت نوحؑ، حضرت آدمؑ سے دسویں پشت میں آتے ہیں اور ان کے تمام اسلاف کی عمریں آٹھ آٹھ نو نو سو سال کی لکھی ہوئی ہیں۔ لہٰذا ایک ایسے بعید ترین زمانے میں جب ہنوز انسان کے اعصاب دورِ حاضر کے برق آگیں تمدن اور رعد آمیز فضا کے مہلک اثرات کا شکار نہیں ہوئے تھے اور اُسے ارضی و سماوی آفات کے مقابلے کے لیے قوی ہیکل جسم اور فولادی عضلات عطا کئے گئے تھے، اتنی لمبی

www.KitaboSunnat.com

عمریں کچھ باعث تعجب نہیں ہوسکتیں''۔ (معارف القرآن: ج۲ص۳۷۶)

اس اقتباسِ پرویز میں دو باتیں بالکل واضح ہیں:

اوّلاً یہ کہ..... وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ ''حضرت نوحؑ کا زمانہ قبل از تاریخ ہے۔'' (حالانکہ 'مفہوم القرآن' کے حاشیہ صفحہ ۹۱۲ کی رُو سے وہ عمر نوحؑ کی بابت 'قرآنی ابہام' کی وضاحت کے لیے تاریخی تحقیقات کے منتظر رہے ہیں) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دورِ نوحؑ کا تعلق زمانہ قبل از تاریخ سے ہے تو پھر قرآن کے اس صاف اور صریح بیان کے بعد کہ ''نوحؑ ساڑھے نو سو سال اپنی قوم میں رہے۔'' ان تاریخی تحقیقات کا انتظار کس شوق میں کیا جارہا ہے جو اگر مل بھی گئیں تو ان کا مبنی برظن وتخمین ہونا واضح ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اگر صحت واستناد کے پہلو سے دیکھا جائے تو یہ 'تاریخی تحقیقات' (جن کی راہ میں 'مفکر قرآن' صاحب عمر بھر اپنی پلکیں بچھائے رہے) ضعیف سے ضعیف حدیث کے مرتبے کو بھی نہیں پہنچتیں لیکن ستیاناس ہو اس غلامانہ ذہنیت کا جو مغرب کی طرف سے آنے والی ہر مبنی برظن وتخمین ''تاریخی تحقیق' کو تو مستند اور قابل اعتماد سمجھتی ہے اور احادیثِ رسولؐ کو ظنی کہہ کر ردّ کردیتی ہے اور رجعت الی القرآن کے نعرہ کے تحت قرآنی تفسیر کو ان ہی 'تاریخی تحقیقات' کی روشنی میں مرتب کرتی ہے، اور یوں مغربی افکار ونظریات کو قرآن پر شرفِ تقدم عطا کرتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص قرآن کی تفسیر صاحبِ قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طرزِ عمل کی روشنی میں کرے تو یہی ذہنیت اسے 'عجمی اسلام' قرار دیتی ہے اور 'مفکر قرآن' اگر اشتراکیت اور مغرب کی فساد زدہ معاشرت اور حیاسوز تمدن کی روشنی میں تفسیر قرآن پیش فرمائیں تو گویا یہ 'خالص عربی اسلام' ہے۔

ثانیاً یہ کہ..... پرویز صاحب تورات کی بیان کردہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ''حضرت نوحؑ، آدمؑ سے دسویں پشت میں آتے ہیں۔'' اس سے یہ واضح ہے کہ آدم ایک مخصوص فرد کا نام ہے، ورنہ اگر آدمؑ سے مراد ہر فرد و بشر لیا جائے (جیسا کہ پرویز صاحب کا گمان ہے) تو نوحؑ اور ان کے درمیان دس پشتوں کا یہ فاصلہ بے معنی ہوکر رہ جاتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

اِزالہ استبعادِ عقلی کے لیے ایک اور اقتباسِ پرویز

حضرت نوح علیہ السلام کی درازیٔ عمر پر عقلی استبعاد کے ازالہ کے لیے پرویز صاحب مزید فرماتے ہیں:

''چین کے مشہور مذہب TAOISM کا ایک بہت بڑا مبلغ اور رشی Kawag جس کی پیدائش چوتھی صدی ق م کی ہے، اپنی کتاب میں سمجھاتا ہے کہ عمر بڑھانے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ ''میں بارہ سو سال سے اسی طریق کے مطابق زندگی بسر کر رہا ہوں اور اس پر بھی میرا جسم روبہ انحطاط نہیں ہے۔'' (Sacred Book of the East (Taoism) Translated by Janes Legce, P.25)

(معارف القرآن: ج۲/حاشیہ برصفحہ ۳۷۷)

نیرنگی دوراں دیکھئے کہ کل تک پرویز صاحب خود درازیٔ عمر کے عقلی استبعاد کا اِزالہ کرنے والوں میں تھے اور آج وہ خود اس عقلی استبعاد کا شکار ہوکر دور خیز اور خود ساختہ اُن ہی رکیک تاویلات قرآن پر اُتر آئے ہیں، جن کی وہ کل تردید کیا کرتے تھے۔

مزاج پرویز کا ایک بنیادی پہلو

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے مزاجِ پرویز کے ایک بنیادی پہلو کی نشاندہی ضروری ہے جس کا ظہور وصدور دیگر مقامات پر بالعموم اور یہاں بالخصوص ہوا ہے۔ پرویز صاحب اگر واقعی قرآن کو حجت اور سند سمجھتے تو ان پر لازم تھا کہ وہ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا سے ۹۵۰ سال ہی مراد لیتے۔ پھر جو کوئی اس طویل العمری پر شک و شبہ کا اظہار کرتا تو اسے یہ ہدایت فرماتے کہ وہ علمی انکشافات کا ابھی اور انتظار کرے تا آنکہ قرآن (وحی) کا یہ مفہوم ثابت ہوجائے۔'' یہی رویہ ان کے لیے زیبا تھا اور ایک مقام پر خود اُنہوں نے اسے اختیار بھی کیا تھا، چنانچہ قصہ صاحبِ موسیٰؑ کے ضمن میں اُنہوں نے یہی ہدایت فرمائی کہ

''عقل اپنی محدود معلومات کی بنا پر وحی کے کسی حکم کے خلاف اعتراض کرتی ہے، لیکن جب اس کی معلومات میں اضافہ ہوجاتا ہے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جو کچھ وحی نے کہا تھا، وہ سچ تھا۔ لہٰذا عقل کے لیے صحیح روش یہی ہے کہ وہ وحی کی بات تسلیم کرنے اور اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتی رہے۔ جب اسے صحیح معلومات حاصل ہوجائیں گی تو وہ خود بخود

www.KitaboSunnat.com

وحی کی تصدیق کردے گی۔'' (مفہوم القرآن: ص ۶۷۹)

یہ وہ اُصولی بات ہے جس کی وہ تلقین کیا کرتے تھے لیکن یہاں ان کا اپنا طرزِ عمل اس تلقین کے برعکس ہے کہ وہ اب وحی کی بیان کردہ عمر نوحؑ کو عقلاً مستبعد سمجھتے ہیں اور قیاسات کی بنا پر آیات کی رکیک تاویلات پر تُل جاتے ہیں اور قرآنی الفاظ میں عمر نوحؑ کے متعلق ایک نیا تصور داخل کرتے ہیں اور زبانِ حال سے یہ فرماتے ہیں کہ ''ان قیاسی مفاہیم کو قبول کرلو یہاں تک کہ علمی تحقیقات عمر نوحؑ کے کسی قطعی مفہوم کو سامنے لے آئیں۔ رہا قرآنِ کریم کا بیان کردہ مفہوم تو وہ 'غیر واضح' ہے۔''

اب ظاہر ہے کہ یہ طرزِ عمل وہی شخص اختیار کرسکتا ہے جو قرآنی بیان پر یقین کرنے کی بجائے خارج از قرآن نظریات کے سامنے سر جھکا چکا ہو اور پھر اس کوشش میں جُت گیا ہو کہ قرآن چھیل چھال کر اپنے دل و دماغ میں رچے بسے خیالات کے مطابق ڈھال دیا جائے ورنہ قرآنِ مجید پر پختہ یقین اور مستحکم ایمان رکھنے والا کوئی شخص یہ طرزِ عمل کبھی اختیار نہیں کرسکتا۔

چوتھی مثال: قتل ابنائے بنی اسرائیل

یہ ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ فرعونِ مصر نے ولادتِ موسوی سے قبل ابنائے بنی اسرائیل کو قتل کرنے کا ظالمانہ سلسلہ شروع کر رکھا تھا، خود قرآنِ مجید بھی اس حقیقت کی تائید کرتا ہے۔ مگر طلوعِ اسلام کے روحِ رواں جناب غلام احمد پرویز کو اس سے انکار ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم کے ہر اُس مقام پر جہاں فرعون کے ہاتھوں ابنائے بنی اسرائیل کا قتل مذکور ہے، اُنہوں نے یہ تاویل (بشرطیکہ اسے تحریف کی بجائے تاویل کہا بھی جاسکے) فرمائی ہے کہ فرعون اور آلِ فرعون فرزندانِ بنی اسرائیل کو ''جو ہر انسانیت سے محروم رکھنے کی کوشش'' کیا کرتے تھے نہ کہ اُنہیں جان سے مار دینے کی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''یُذَبِّحُ اَبْنَاءَ هُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَآءَ هُمْ'' (القصص:۴) اس کا عام ترجمہ یہ ہے کہ ''وہ ان کے اَبناء کو قتل کرتا اور ان کی نساء کو زندہ رکھتا اور اس طرح اس میں فساد برپا کرتا رہتا'' یہ الفاظ دو ایک دیگر مقامات پر بھی آئے ہیں۔ (مثلاً الاعراف:۱۲۷، غافر:۲۵، البقرۃ:۴۹) ہمارے ہاں ان الفاظ کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ فرعون نے حکم دے رکھا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جتنے

www.KitaboSunnat.com

بھی بچے پیدا ہوں، ان میں سے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے۔ یہ مفہوم صحیح نہیں، اسے تورات سے لیا گیا ہے۔''

(تفسیر مطالب الفرقان: ج۲ص۱۷۳)

ہمیں افسوس ہے کہ مقالہ کی تنگ دامنی نہ تو ہمیں اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ اقتباسِ بالا میں سوئے تعبیر کے ذریعہ جو کرشمہ سازی کی گئی ہے، اس کا پردہ چاک کیا جائے اور نہ ہی اس بات کی کہ موقفِ پرویز کے جملہ دلائل کا تفصیلی رد پیش کیا جائے اور نہ ہی اس امر کی کہ علماے سلف و خلف کے موقف کا دلائل و براہین سے اثبات کیا جائے۔ ان جملہ اُمور پر تفصیلی بحث کے لیے میری کتاب 'تفسیر مطالب الفرقان کا علمی اور تحقیقی جائزہ' کا مطالعہ فرمائیے۔

یہاں موضوع کی مناسبت سے صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ 'مفکرِ قرآن' کے ایمان بالقرآن کی حقیقت کیا ہے؟

انکارِ قتلِ ابناے بنی اسرائیل کی وجہ

چنانچہ وہ جس وجہ سے قتلِ ابناے بنی اسرائیل کا انکار کرتے ہیں، وہی اس امر کو واضح کر دیتی ہے کہ وہ فی الواقع قرآن کو مانتے ہیں یا غیر قرآن کو؟ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

''اس وقت تک مصر کی قدیم تاریخ سے جس قدر پردے اُٹھے ہیں، ان میں سے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر دینے کا کوئی واقعہ سامنے نہیں آیا ہے۔ ممکن ہے جب تاریخ کے مزید اوراق سامنے آئیں تو ان میں اس کے متعلق کوئی ذکر ہو، اس وقت تک صرف تورات میں یہ ملتا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو مارنے کا حکم دے رکھا تھا۔ (کتابِ خروج) لیکن تاریخی نقطۂ نگاہ سے موجودہ تورات کی جو حیثیت ہے وہ اربابِ علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔''

(لغات القرآن: ص۶۹۳، ۶۹۴)

'مفکرِ قرآن' کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری

اقتباسِ بالا نے پرویز صاحب کی مغرب کے مقابلے میں ذہنی غلامی اور فکری اسیری کو بالکل بے نقاب کر کے رکھ دیا ہے۔ قرآنِ کریم بالفاظِ صریحہ فرعون کے متعلق یہ کہتا ہے کہ يُذَبِّحُ اَبْنَاءَ هُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَاءَ هُمْ (القصص:۴) ''وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کیا کرتا تھا اور

www.KitaboSunnat.com

ان کی عورتوں کو زندہ رکھا کرتا تھا'' فرعونیوں کے متعلق بھی قرآن صراحت سے بیان کرتا ہے کہ ''یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَ كُمْ'' (البقرۃ:۴۹) ''وہ تمہارے بچوں کو ذبح کیا کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیا کرتے تھے۔'' ایک دوسرے مقام پر ''یذبحون'' کی جگہ ''یُقَتِّلُوْنَ'' کے الفاظ آئے ہیں یعنی ''خوب قتل کیا کرتے تھے۔'' الغرض قرآن کریم نے یذبحون کہا ہو یا یقتلون، دونوں کا معنی 'جان سے مار ڈالنا' ہی ہے۔ لیکن ہمارے 'مفکر قرآن' کو یہ حقیقی اور عام فہم مفہوم قابل قبول نہیں کیوں؟ محض اس لیے کہ ابھی تک حجری اور اثری انکشافات نے اس معنی کی تصدیق نہیں کی۔ گویا اصلی قابل اعتماد ماخذ الفاظ کلام اللہ نہیں ہیں بلکہ تاریخی آثار اور انکشافاتِ آثارِ قدیمہ ہیں۔ لہٰذا قرآنی مفہوم ان ہی کی روشنی میں متعین کیا جائے گا یعنی قرآنی الفاظ کا مفہوم قطعی نہیں بلکہ تاریخی آثار و کتبات سے برآمد شدہ مفہوم ہی قطعی ہے۔ یہ رویہ مغرب کی انتہائی ذہنی غلامی کا غماز ہے۔

'مفکر قرآن' پڑھتے تو قرآن ہی رہے ہیں مگر سوچتے رہے ہیں تہذیبِ غالب کی تحقیقات کی روشنی میں۔ آنکھیں تو اُن کی اپنی تھیں مگر دیکھتے رہے ہیں مغرب کے زاویۂ نگاہ سے۔ کان تو اُن کے اپنے ہی تھے، مگر سنتے رہے ہیں علماے مغرب کی سخن سازیاں۔ الفاظ تو وہ قرآن ہی کے اپنی زبان سے ادا کرتے رہے ہیں مگر ان کے اندر معانی وہ فکر جدید سے لے کر داخل کیا کرتے تھے۔ زبان تو ان کی اپنی تھی، مگر بات غیروں ہی کی کیا کرتے تھے۔ دماغ تو ان کا اپنا ہی تھا مگر اس میں سوچ اور فکر اَغیار ہی کی تھی: ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ (الاعراف:۱۷۹)

مزید برآں ہمارے 'مفکر قرآن' ہوں یا دیگر منکرینِ حدیث، اُن کی یہ بات کس قدر قابل توجہ ہے اور موجبِ صد حیرت ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل اور آپؐ کے اُسوۂ حسنہ کے متعلق بخاری، مسلم، موطا اور دیگر کتبِ حدیث کی شہادتوں کو بلا تکلف ردّ کر دیتے ہیں اور محققین مغرب کی آثارِ قدیمہ سے ماخوذ تاریخی شہادت کو قبول کر لیتے ہیں حالانکہ یہ تاریخی شہادتیں اُن شہادات کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتیں جو نبی اکرم ﷺ کے متعلق احادیث

www.KitaboSunnat.com

میں پائی جاتی ہیں۔ منکرین حدیث مغرب کی جن تاریخی شہادتوں پر اعتماد کرتے ہیں، ان میں سے قوی سے قوی ذریعہ بھی ابن ماجہ، حاکم، بیہقی کی ضعیف سے ضعیف روایت کے مقابلہ میں بھی ہیچ ہے۔ لیکن بُرا ہو ذہنی غلامی کا، ستیاناس ہو دماغی مغلوبیت کا، بیڑہ غرق ہو فکری اسیری کا، جس کا واضح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ؎

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر!

ہمارے 'مفکر قرآن' فرماتے ہیں کہ قتل ابناے بنی اسرائیل کو مقتول و مذبوح قرار دینے والی آیات میں 'جان سے مار ڈالنے' کا مفہوم اس لیے قابل قبول نہیں کہ ''اس وقت تک مصر کی قدیم تاریخ سے جس قدر پردے اُٹھے ہیں، ان میں سے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کا کوئی واقعہ سامنے نہیں آیا ہے، ممکن ہے جب تاریخ کے مزید اوراق سامنے آئیں تو ان میں اس کے متعلق کوئی ذکر ہو۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ قرآنی الفاظ کے قطعی مفہوم کو نظر انداز کر کے مصر کی تاریخ پر سے مزید پردوں کے اُٹھنے کا انتظار کرتے کرتے وہ شخص مرگیا جو اُٹھتے بیٹھتے قرآن قرآن کی رٹ لگائے رکھتا تھا اور قرآن کے اوّل و آخر سند ہونے کی دہائی دیا کرتا تھا۔ اب گویا حیاتِ پرویز ہی میں جب اثری تحقیقات میں سے کوئی ایسی شہادت مل جاتی جو ولادتِ موسیٰ علیہ السلام کے وقت اسرائیلی بچوں کو 'جان سے مار ڈالنے' کا انکشاف کر ڈالتی تو پھر 'مفکر قرآن' ایک اور قلابازی کھاتے اور مفہوم قرآن از سر نو بدل کر کچھ اور ہو جاتا اور جب تک کوئی ایسی شہادت نہیں مل پاتی اس وقت تک 'پیروانِ دعوتِ قرآنی' پر لازم ہے کہ وہ 'مفکر قرآن' کے اندازاً بتائے ہوئے قیاسی معانی ہی کو سینے سے لگائے رکھیں۔

تورات اور پرویز

اور یہ بھی کیا خوب کہا ہے کہ ''اسرائیلی بچوں کو سچ مچ مار ڈالنے کا فرعونی حکم صرف تورات میں پایا جاتا ہے مگر موجودہ تورات 'ساقط الاعتبار' ہے۔'' یہاں ہمارے 'مفکر قرآن' کا یہ دورُخا پَن بھی قابل غور ہے کہ اُنہوں نے جب اور جہاں چاہا تورات کے اُن واقعات کو بھی جو مطابقِ قرآن ہیں یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ واقعات تورات جیسی ساقط الاعتبار کتاب سے ماخوذ

www.KitaboSunnat.com

ہیں'' (مثلاً یہی قتل ابنائے بنی اسرائیل کے واقعات) لہٰذا نا قابل قبول ہیں۔لیکن دوسری طرف توراتِ محرفہ کے جن واقعات کو وہ اپنے منسوب الی القرآن تصورات کے موافق پاتے ہیں اُنہیں وہ ہاتھوں ہاتھ قبول کر لیتے ہیں (مثلاً نظامِ یوسفی میں اقتصادی نظام) پھر اُس وقت نہ تورات اُنہیں تحریف شدہ نظر آتی ہے اور نہ ہی ساقط الاعتبار۔

پھر 'مفکر قرآن' صاحب کا یہ دورُخا پَن بھی ملاحظہ فرمایئے کہ قرآنِ کریم اگر یہ کہہ دے کہ ''فرعون ابنائے بنی اسرائیل کو قتل اور ذبح کیا کرتا تھا اور ان کی خواتین کو زندہ رکھا کرتا تھا'' تو یہ قرآنی بیان 'مفکر قرآن' کے لیے قابل قبول نہیں ہے اور اسے مردود قرار دینے کے لیے یہ فرماتے ہیں کہ ''یہ تورات جیسی ساقط الاعتبار کتاب سے ماخوذ تصور ہے۔'' لیکن دوسری طرف وہ خود ایک ایسی ہی حقیقت کو جب اہل کتاب کی مذہبی کتابوں سے پیش کرتے ہیں تو بغیر کسی تردد، دغدغہ، تامل اور حیل و حجت کے 'حقیقتِ واقعہ' قرار دے کر قبول کرتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''انجیل متی میں یہ بھی مذکور ہے کہ ہیرودلیس نے بیت اللحم اور اس کی سرحدوں کے تمام بچوں کو جن کی عمر دو برس یا اس سے کم تھی، قتل کر دیا تھا'' (شعلہ مستور: حاشیہ برص ۱۶)

غور فرمایئے، انجیل متی کی سند پر ہیرودلیس کا قتل اطفالِ مسلّم ومعتبر ہے لیکن قرآن کی سند پر قتل اطفال بنی اسرائیل غیر مسلّم ہے: شعور وفکر کی یہ کافری معاذ اللہ!

ایک قابل غور امر

قرآنِ کریم نے ابنائے بنی اسرائیل کی ہلاکت کے سلسلہ میں تقتیل اور تذبیح کے الفاظ استعمال کئے ہیں جو قتل اور ذبح کے الفاظ سے نکل کر باب تفعیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قتل یا تقتیل (جس کے 'مفکر قرآن' نے چھ معانی کے چوہے جبل لغات سے کھود نکالے ہیں) کی وضاحت ذبح (یا تذبیح) کے لفظ سے فرمادی ہے، جس کا واحد معنی 'جان سے مار ڈالنا' ہی ہے۔ 'مفکرِ قرآن' اس خدائی وضاحت کو نظر انداز کر ڈالتے ہیں کیوں؟ کس لئے؟ صرف اور صرف اس لیے کہ اُنہیں اپنے 'مزعومات' قرآنی حقائق کی نسبت زیادہ عزیز ومحبوب ہیں۔ یہ 'مزعومات' دراصل وہ تصورات ہیں جو مغرب کی ذہنی غلامی اور فکری

www.KitaboSunnat.com

اسیری کے باعث اُنہوں نے اپنے قلب و دماغ میں راسخ کر رکھے ہیں اور اب ان ہی کی تائید کے لیے ایک طرف وہ تفسیر قرآن کی آڑ میں حدِ تحریف کو پہنچی ہوئی رکیک وخسیس تاویلات کے درپے رہتے ہیں اور دوسری طرف مصری کتبات، آثارِ قدیمہ کی تحقیقات اور مزید تاریخی انکشافات کے منتظر رہتے ہیں جو اُن کے نزدیک قرآن سے بھی بڑھ کر قطعی الثبوت ہیں تاکہ ان کی روشنی میں تقتیل ابناء والی قرآنی آیات کے مفہوم کو متعین کیا جاسکے، حالانکہ تاریخ اور قرآن کی حیثیت کو بہ تکرار واعادہ وہ یوں بیان کیا کرتے ہیں کہ

''تاریخ بہرحال ظنی ہے اور اس کے مقابلہ میں قرآن ایک یقینی شہادت ہے۔''

(طلوعِ اسلام، نومبر ۱۹۶۵ء، ص ۴۹)

لیکن یہاں ہم دیکھ رہے ہیں کہ 'مفکر قرآن' جو ہمیشہ عقل و دانش کی روشنی میں قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کرنے کے مدعی رہے ہیں قرآن کی قتل اطفال اور ذبح ابناء بنی اسرائیل سے متعلقہ آیات (جو قرآن ہونے کی بنا پر قطعی اور یقینی ہیں) کی تفسیر تاریخی آثارِ مصر سے کرنا چاہتے ہیں جن پر سے اٹھنے والے پردوں کے بعد بھی جو کچھ سامنے آئے گا، وہ بہرحال ظنی ہی ہوگا۔

پانچویں مثال: واقعہ قتل نفس اور ذبح بقرہ

سورۃ البقرۃ میں ذبح البقرہ کے واقعہ کے ضمن میں قتلِ نفس کا واقعہ بایں الفاظ مذکور ہے:

﴿وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾

''اور تمہیں یاد ہے وہ واقعہ جب تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا، تب اس ضمن میں باہم جھگڑے اور ایک دوسرے پر الزام قتل تھوپنے لگے اور اللہ اُس امر کو کھولنے والا تھا جسے تم چھپا رہے تھے۔ تب ہم نے کہا: لاشِ مقتول کو اس کے ایک حصے سے ضرب لگاؤ، دیکھو! اللہ یوں اپنی نشانیاں دکھاتے ہوئے لوگوں کو زندگی بخشتا ہے تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔'' (البقرۃ:۷۲،۷۳)

اس آیت کی تفسیر میں قریب قریب جملہ علماے تفسیر نے یہ لکھا ہے کہ جس گائے کو ذبح کرنے کا حکم اس سے متصل پہلی آیات میں دیا گیا ہے، اسی کے گوشت کو مقتول کی لاش کے ساتھ لگانے کا حکم دیا گیا ہے: فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا (البقرۃ:۷۳) اس کے نتیجہ میں مقتول کچھ دیر کے لیے زندہ ہوا اور اپنے قاتل کا نام بتا کر ہمیشہ کے لیے پھر موت کی نیند سو گیا اور قاتل کو

www.KitaboSunnat.com

اس کے جرم کی سزا دے دی گئی۔

تفسیر قرآن میں اَحوط وانسب رویہ

لیکن پرویز صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں علماء کے اس تفسیری موقف کو نظر انداز کرکے ایک ایسی بات کہی ہے جو کسی حد تک ان کے اَنسب و احوط رویہ کی غماز ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''اضربوہ ببعضھا کی تفسیر میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ خواب کثرتِ تعبیر سے پریشان ہوگیا ہے لیکن بایں ہمہ بات ویسی کی ویسی ہی مشکل رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے اور اس کا صحیح مفہوم تاریخی انکشافات کی روشنی میں ہی متعین ہوسکتا ہے جس طرح فرعون کی لاش کے محفوظ رکھے جانے کا بیان ایک تاریخی واقعہ تھا۔ صدیوں تک اس آیت کی تفسیر میں مختلف قیاس آرائیاں ہوتی رہیں لیکن جب تاریخ نے اپنے چہرہ سے نقاب اُٹھایا تو مصر کے تہہ خانہ میں اس آیت کی تفسیر مجسم نظر آ گئی۔ اسی طرح محولہ صدر واقعہ بھی تاریخ سے متعلق ہے قیاس آرائیوں سے اس کا صحیح مفہوم متعین نہیں ہوسکتا۔ یہ آیت بھی ابھی متشابہات کی فہرست میں ہے، تاریخ اپنا کوئی اور ورق الٹے گی تو اس وقت یہ آیت محکمات کی فہرست میں منتقل ہوجائے گی۔ قرآنی حقائق و معارف زمانہ کے شکن درشکن گیسوؤں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ علم انسانی کی نسیم سحری جوں جوں ان پیچوں کو کھولتی جاتی ہے یہ گوہر آبدار حسین آویزوں کی طرح وجہِ درخشندگی عالم ہوتے جاتے ہیں۔'' (معارف القرآن: ج۳ص۳۵۶)

یہ تفسیری موقف پرویز صاحب نے ۱۹۳۵ء میں اختیار کیا تھا جس کے تحت ایسی آیات کو متشابہات میں سمجھتے ہوئے اس کی تفسیر کو یہ کہہ کر معرضِ اِلتوا و انتظار میں ڈال دیا تھا کہ ''جب تک تاریخ اس طرح کی کوئی مجسم تفسیر پیش نہیں کردیتی جیسی کہ فرعون کے بدن کو محفوظ رکھنے والی آیت میں پیش کی گئی ہے، اس وقت تک اسے متشابہات میں سے ہی سمجھا جائے گا۔'' نیز اُنہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ 'قتل نفس' کے زیر بحث واقعہ میں بھی 'قیاس آرائیوں' سے اس کا مفہوم متعین نہیں ہوسکتا۔

کاش! 'مفکر قرآن' اپنے اس اُصول پر قائم رہتے اور تفسیر قرآن میں اپنی رائے، ظن اور گمان کو دخیل نہ بناتے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد ان کی فضاے دماغی میں ایک لہر

www.KitaboSunnat.com

اُٹھی اور ظن وتخمین اور گمان وتخریص پر مبنی ایک خالص قیاسی تفسیر بایں الفاظ صفحۂ قرطاس پر مرتسم ہوگئی:

''ہم جو کچھ سمجھ سکے ہیں، وہ یہ ہے کہ توہم پرستیوں سے لوگوں کی نفسیاتی حالت یہ ہوجاتی ہے کہ وہ ذرا سے خلافِ معمول واقعہ کا سامنا نہیں کرسکتے اور اس کے احساس سے ان پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے۔ یہی کیفیت بنی اسرائیل کی ہوچکی تھی اور واقعۂ قتل میں ان کی نفسیاتی حالت کو تحقیق مجرم کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ ان سے کہا گیا کہ مشتبہ ملزموں میں سے ایک ایک شخص، لاش کے قریب سے گزرے اور لاش کا کوئی حصہ اُٹھا کر اس شخص کے جسم سے چھوا جائے، ملزم کی پہچان ہوجائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس سے مجرم کی جو حالت ہوئی ہوگی، وہ اس کے داخلی احساسات کی غماز بن گئی ہوگی۔ اس طرح جب مجرم کا تعین ہوگیا تو اس سے قصاص لے لیا گیا۔ قرآن نے قصاص کے متعلق کہا ہے کہ اس میں رازِ حیات ہے۔ یہ بہرحال ہمارا قیاس ہے حقیقت اس وقت ہی سامنے آئے گی جب تاریخی انکشافات اس کی نقاب کشائی کریں گے۔'' (برقِ طور: ص۱۹۰، ۱۹۱)

پھر اس 'قیاسی تفسیر' کو جس کے متعلق خود اُن کا اپنا اعتراف ہے کہ ''یہ ہمارا قیاس ہے۔'' عین مفہوم قرآن بنا کر یوں پیش کرتے ہیں:

''ایک طرف تمہاری یہ حالت کہ ایک جانور کو ذبح کرنے میں اس قدر حیل و حجت اور دوسری طرف یہ عالم کہ ایک انسانی جان ناحق لے لی اور اسے خفیہ طور پر مار دیا اور جب تفتیش شروع ہوئی تو لگے ایک دوسرے کے سر الزام تھوپنے یعنی تم میں اتنی اخلاقی جرات بھی نہ تھی کہ جرم ہوگیا تو کھلے بندوں اس کا اعتراف کر لیتے، لیکن جس بات کو تم چھپانا چاہتے تھے، خدا اُسے ظاہر کردینا چاہتا تھا تاکہ جرم بلاقصاص نہ رہ جائے۔

مشرکانہ توہم پرستیوں سے جن میں تم مبتلا ہوچکے تھے، انسان کی نفسیاتی کیفیت یہ ہوجاتی ہے کہ اسے کسی ذرا سی خلافِ معمول بات کا سامنا کرنا پڑے تو اس پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے۔ (۲۲/۳۱) چونکہ خدا تمہاری اس نفسیاتی کیفیت سے واقف تھا، اس نے قاتل کا سراغ لگانے کے لیے ایک نفسیاتی ترکیب بتائی (جو انسان کی اُس زمانے کی ذہنی سطح کے اعتبار سے بڑی خلافِ معمول تھی) اُس نے کہا: تم میں سے ایک ایک جاؤ اور اپنے حصہ جسم کو لاش کے ساتھ لگا

www.KitaboSunnat.com

دو۔ (چنانچہ جو مجرم تھا، وہ جب لاش کے قریب پہنچا تو خوف کی وجہ سے اس سے ایسے آثار نمایاں ہوگئے جو اس کے جرم کی غمازی کرنے کے لیے کافی تھے) اس طرح اللہ نے اس قتل کے راز کو بے نقاب کردیا اور مجرم سے قصاص لے کر موت کو زندگی سے بدل دیا کیونکہ قصاص میں قوم کی حیات کا راز پوشیدہ ہوتا ہے۔ (۲/۱۷۹) اللہ اس طرح اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل وشعور سے کام لے کر ایسے معاملات کو سلجھایا کرو اور اس حقیقت کو سمجھ لو کہ نفسیاتی تغیر سے (افراد سے آگے بڑھ کر) کس طرح خود قوموں کی حالت بدل جاتی ہے۔''

(مفہوم القرآن: ص ۲۵)

قرآنی الفاظ کے اختصار کو بھی دیکھئے اور پھر انہی الفاظ کے مفہوم کے طول وعرض کو بھی اور سوچئے کہ اگر یہی قرآنی مفہوم ہے تو کیا عرب کے اَن پڑھ اور سادہ مزاج بدوؤں کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ مفہوم آسکا ہوگا جبکہ اس مفہوم سے خود 'مفکر قرآن' بھی بایں علم و دانش اور حکمت وفضیلت ۱۹۳۵ء تک محروم تھے۔ پھر اس 'مفہوم القرآن' کو اس پہلو سے بھی دیکھئے کہ اس میں کس قدر قرآنی الفاظ کی رعایت پائی جاتی ہے اور کس قدر 'مفکر قرآن' کے اپنے قیاس وگمان کا دخل ہے۔ پھر یہ کہ قیاس وگمان اور لفاظی کا یہ مرکب ایک سادہ اور عام فہم عرب کو قرآن سے قریب تر کرے گا یا بعید تر؟ یہ ہر شخص خود محسوس کرسکتا ہے۔

پرویز صاحب کے اس 'مفہوم القرآن' کے مقابلہ میں مندرجہ ذیل مفہوم آیات کو بھی ملاحظہ فرمائیے جسے قرآنی الفاظ کی حدود میں رہ کر اس خوبی سے پیش کیا گیا ہے کہ قرآنی ترجمہ اور شرحِ مفہوم میں ربط وہم آہنگی نمایاں ہوجاتی ہے اور عبارت بھی الفاظ کے اِسراف وتبذیر سے قطعی پاک ہے:

''اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب تم لوگوں (میں سے کسی) نے ایک آدمی کا خون کردیا پھر (اپنی براءت کے لئے) ایک دوسرے پر ڈالنے لگے اور اللہ کو اس امر کا ظاہر کرنا مقصود تھا جس کو تم (میں سے مجرم ومشتبہ لوگ) مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے (ذبح بقرہ کے بعد) ہم نے حکم دیا کہ اس (مقتول کی لاش) کو اس (بقرہ) کے کوئی سے ٹکڑے سے چھو دو (چنانچہ چھوانے سے وہ زندہ ہوگیا۔ آگے اللہ تعالیٰ بمقابلہ منکرین قیامت کے اس قصہ سے استدلال اور نظر کے طور پر فرماتے ہیں کہ) اسی طرح حق تعالیٰ (قیامت میں) مردوں کو زندہ کردیں گے اور

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ اپنے نظائر (قدرت) تم کو دکھلاتے ہیں اس توقع پر کہ تم عقل سے کام لیا کرو (اور ایک نظیر سے دوسری نظیر کے انکار سے باز آؤ)۔

(تفسیر معارف القرآن از مفتی محمد شفیعؒ: ج ا رص ۲۴۶)

حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ 'مفکر قرآن' کا کسی 'تاریخی انکشاف' کا انتظار بھی کوئی خوشگوار موقف نہیں ہے لیکن اس کی بجائے اپنے قیاس و گمان پر مبنی موقف کو الفاظ کا بے تحاشا اسراف کرتے ہوئے لفاظی اور وہم و گمان کے مرکب کی شکل میں 'مفہوم القرآن' کے نام سے پیش کرنا اس سے بھی بدتر عمل ہے۔اعاذنا اللہ من ذلك! یہ بحث اور یہ واقعہ بھی 'مفکرِ قرآن' کے ایمان بالقرآن کی حقیقت کو بے نقاب کر ڈالتا ہے۔

چھٹی مثال: رہبانیتِ مریم کی بابت خود ساختہ داستانِ پرویز

یہود بے بہبود نے حضرت مریمؑ پر نہایت شرمناک الزامات لگائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ، نقل کفر کفر نباشد) براہِ راست ولد الزنا قرار دیا لیکن اس کے مقابلہ میں 'مفکر قرآن' نے اپنی ایک من گھڑت داستان کی رُو سے حضرت مریمؑ پر یہی الزام بالواسطہ اس طرح عائد کیا:

''حضرت مریمؑ ایک راہبہ کی زندگی بسر کر رہی تھیں جسے دنیاوی علائق سے کچھ واسطہ نہیں ہونا چاہئے تھا بلکہ ساری عمر تجرد میں گزار دینی چاہئے تھی۔آپ کو خدا کی طرف سے اشارہ ملا کہ اُنہیں متاہل زندگی بسر کرنی ہوگی کیونکہ اُنہیں ایک عظیم الشان رسول کی امین بننا ہے۔اس طے شدہ اَمر (اَمْرًا مَقْضِيًّا) کے مطابق حضرت مریمؑ نے خانقاہ کی زندگی چھوڑ کر عائلی زندگی اختیار کی، لیکن یہودیوں کے نزدیک یہ کوئی چھوٹا جرم نہ تھا۔ایک راہبہ کی زندگی چھوڑ کر متاہل زندگی اختیار کر لینا، مشربِ خانقاہیت میں اِرتداد سے کم نہ تھا۔اس کے ساتھ ہی اس جذبۂ انتقام اور شکستِ پندار کو بھی ملحوظ رکھئے جو حضرت مریمؑ کی اس روش سے اُن کے دلوں میں پیدا ہوا تھا کہ اُنہوں نے ہیکل کے پجاریوں میں سے کسی کے ساتھ شادی نہیں کی اور ہیکل سے باہر ایک دوسرے شخص سے شادی کر لی۔ان وجوہات کی بنا پر اُنہوں نے حضرت مریمؑ کو موردِ طعن و تشنیع بنایا اور اپنے جوشِ انتقام میں، اس پیکرِ عفت و عصمت کے خلاف طرح طرح کے الزامات تراشے: ﴿وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا﴾ (النساء:۱۵۶) یعنی ان کے

www.KitaboSunnat.com

نزدیک ایک راہبہ کا اس طرح کا نکاح، نکاح ہی نہیں قرار پاسکتا تھا، اس لیے اُس کی اولاد کس طرح مستحسن نظروں سے دیکھی جاسکتی تھی''۔ (شعلۂ مستور: ص۱۱۴)

اس اقتباس کے پہلے ہی جملے میں واقع لفظ 'راہبہ' کے تحت حاشیہ میں 'مفکر قرآن' صاحب لکھتے ہیں:

''خانقاہیت کی زندگی مذہبِ عیسویت کی ایجاد نہیں۔اس کے آثار اس سے پہلے یہودیوں کے ہاں بھی موجود تھے اور مصریوں میں بھی۔خود حضرت مریمؑ کی ابتدائی زندگی کے حالات اس پر شاہد ہیں کہ یروشلم کے ہیکل میں راہب اور راہبات ہوتی تھیں۔ یہ تارک الدنیا لوگ، عبادت میں مصروف رہتے اور انبیاے یہود کی پیشینگوئیوں کے تحت ایک آنے والے مسیح کا انتظار کرتے۔'' (شعلۂ مستور: حاشیہ برصفحہ۱۱۴)

'مفکر قرآن' کی اس داستانِ زُور کے نتیجہ میں چونکہ حضرت مریمؑ ایک راہبہ کی زندگی بسر کررہی تھیں اور پھر چونکہ ایک راہبہ کی زندگی چھوڑ کر ''متاہل زندگی اختیار کرلینا، مشرب خانقاہیت میں ارتداد سے کم نہ تھا'' اس لیے ''اس طرح کا نکاح، نکاح ہی قرار نہیں پاسکتا تھا'' لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اس پرویزی کہانی کی بدولت بھی ویسی ہی غیر مستحسن تھی جیسی یہود کے ہاں تھی۔فرق اگر ہے تو یہ کہ یہود نے براہِ راست حضرت مریمؑ پر الزام لگایا اور 'مفکر قرآن' نے اپنی خودساختہ کہانی کی بنا پر بالواسطہ یہی الزام عائد کیا۔

پرویزی داستان میں 'غیر قرآنی اجزا'

بہرحال 'مفکر قرآن' کی من گھڑت کہانی میں کم ازکم مندرجہ ذیل چار اجزا وہ ہیں جو قرآن میں ہرگز ہرگز مذکور نہیں ہیں:

① ایک تو یہ کہ مریمؑ راہبہ کی زندگی گزار رہی تھی۔

② ثانیاً یہ کہ رہبانیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے وجود پذیر تھی۔

③ ثالثاً یہ کہ حضرت مریمؑ ایسی راہبہ کی زندگی گزار رہی تھیں جن کو ساری عمر تجرد میں گزارنا تھی۔

④ رابعاً یہ کہ رہبانیت کی زندگی چھوڑ کر عائلی زندگی گزارنے پر یہودی اُنہیں موردِ طعن وتشنیع قرار دیتے تھے۔

www.KitaboSunnat.com

قرآنِ مجید سے ان چاروں باتوں کا کہیں سراغ نہیں ملتا اور ملے بھی کیسے جبکہ یہ ساری داستانِ زُور تقریباً دو ہزار سال بعد 'مفکرِ قرآن' کے سامری دماغ نے خود تراشی ہے، اس کے لیے سارا مواد محرف انجیلوں اور ان مغربی دانشوروں کی اَہوا سے ماخوذ ہے جن کی ذہنی غلامی اور فکری اسیری میں وہ مبتلا تھے، کیونکہ از روے قرآن نہ تو حضرت مریمؑ راہبہ تھیں (کیونکہ رہبانیت اس کے بعد پیروانِ مسیح کی ایجاد تھی) اور نہ ہی والدۂ مریمؑ کے ذہن میں اُنہیں نذرِ ہیکل کرتے وقت یہ خیال تھا کہ وہ تجرد کی زندگی بسر کرے گی اور اس کی اولاد نہیں ہوگی بلکہ اس کے برعکس اُن کی اَزدواجی زندگی اور پھر اس کے نتیجہ میں اُن کی ذرّیت کا شعور رکھتے ہوئے ہی وہ اپنی دعاء اعاذہ میں اُن کا ذکر کررہی تھیں: ﴿إِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ﴾ (آل عمران:۳۶) نیز نہ ہی از روے قرآن اُس وقت رہبانیت کا نظام رواج پذیر تھا کیونکہ اس نظامِ رہبانیت کی ابتدا وابتداع، بعد میں پیروانِ مسیح کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ چنانچہ خود 'مفکرِ قرآن' صاحب مفہومِ آیات کے نام سے الفاظ کا جو کباڑ خانہ پیش کیا کرتے تھے، ان میں بھی اس مسلک کو متبعین عیسیٰؑ کا ایجاد کردہ مسلک قرار دیا گیا ہے:

''پھر ہم نے ان کے بعد انہی کی نہج پر اور رسول بھی بھیجے اور (سلسلۂ بنی اسرائیل میں) سب سے پیچھے عیسیٰ ابن مریمؑ کو بھیجا اور اسے انجیل دی۔ جو لوگ اس کی پیروی کرتے تھے ان کے دل میں خلق خدا کے لیے شفقت اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور ہمدردی کے جذبات پیدا کردیئے (یعنی عیسیٰؑ کی تعلیم کا یہ نتیجہ تھا)۔ باقی رہا مسلک رہبانیت (خانقاہیت) جسے تم اس وقت ان کے ہاں مروّج دیکھتے ہو تو اسے اُنہوں نے از خود وضع کرلیا تھا۔''

(مفہوم القرآن: ج۳ر ص۱۲۸۴)

مزید برآں رہبانیت کی بابت واقع لفظ ابتدعو کے مادہ (ب دع) کے متعلق خود پرویز صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ

''البدع وہ کام جو پہلے پہل ہوا ہو اور اس سے پہلے اس کی مثال موجود نہ ہو۔ (ابن فارس) وہ رسی جسے پہلی بار نئے ریشے سے بٹا گیا ہو۔ ''رکیة بدیعة'' نیا کھودا ہوا کنواں۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں با کے ساتھ دال آئے، ان میں ابتداء اور ظہور کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔'' (لغات القرآن: ج۱ر ص۳۰۲)

www.KitaboSunnat.com

ایمان قرآن پر یا غیر قرآن پر؟

یہاں پہنچ کر 'مفکر قرآن' جناب چودھری غلام احمد پرویز کے ایمان بالقرآن کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ ایک طرف قرآن یہ کہتا ہے کہ مسلکِ رہبانیت کے موجد عیسائی تھے۔ قبل ازیں، اس کا وجود تک نہ تھا اور دوسری طرف 'مفکر قرآن' صاحب محض اپنی نرالی اُپج کی لاج رکھنے کی خاطر یا علماے مغرب کی تقلید میں یہ کہتے ہیں کہ رہبانیت، عیسائیوں کی ایجاد نہیں بلکہ ان سے بہت پہلے یہودیوں اور مصریوں میں یہ مسلک رائج تھا۔ سوال یہ ہے کہ ایمان بالقرآن کا تقاضا کیا ہے؟ قرآن کی بات مانی جائے یا غیر قرآن کی؟ فرمانِ خداوندی قابل تسلیم واطاعت ہو یا اقوالِ علماے مغرب؟ ایک سچی اور محفوظ کتاب کی بات مانی جائے یا جعلی اور محرف کتاب کی؟ اگر قرآنی حقائق اور اکتشافاتِ مغرب میں تعارض وتضاد پایا جائے تو کسے قبول کیا جائے اور کسے ردّ کیا جائے؟ آپ جو عمل بھی یہاں اختیار کریں گے وہ آپ کے اصل ایمان واعتقاد کو ظاہر کردے گا۔ اگر قرآن کی بات مانیں گے تو آپ کے ایمان بالقرآن کی عملاً تصدیق ہوجائے گی، اگر آپ آراے علماے مغرب کو تسلیم کریں گے تو (قرآن کی بجائے) اُن پر آپ کا اعتقاد وایمان واضح ہوجائے گا اور آراے مغرب کو شرفِ تقدم بخشنے کا آپ کا یہ عمل اُس زبانی کلامی ایمان کی تردید کرڈالے گا جو قرآن کے بارے میں آپ ظاہر کرتے ہیں۔ فی الواقع انسان کا عملی رویہ ہی وہ معیار ہے جو یہ واضح کرڈالتا ہے کہ اس کا ایمان واعتقاد قرآن پر ہے یا غیر قرآن پر۔

حقیقت یہ ہے کہ جس قرآن کے واحد مسند اور تنہا حجت ہونے کا ڈھنڈورا 'مفکرِ قرآن' پیٹا کرتے تھے۔ اس پر ان کا زبانی کلامی ایمان ہوتو ہو، عمل کی دنیا میں خوردبین لگا کر دیکھنے سے بھی اس کے اثرات دکھائی نہیں دیتے۔ وہ اپنی عملی زندگی میں قرآن کے نہیں بلکہ مغرب ہی کے پیروکار تھے قرآن کے نام پر جو کچھ وہ عمر بھر پیش کرتے رہے ہیں، وہ سب کچھ بغیر کسی قرآن کے مغرب میں موجود ہے۔ مخلوط سوسائٹی، مخلوط تعلیم، ترکِ حجاب، مرد وزن کی مطلق مساوات (بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر نظریۂ افضلیتِ اُناث)، درونِ خانہ فرائض نسواں کی بجائے اُنہیں بیرونِ خانہ مشاغل میں منہمک کرنا، تعددِ ازواج کو معیوب قرار دینا، عورت کو

www.KitaboSunnat.com

خانگی مستقر سے اُکھاڑ کر اسے مردانہ کارگاہوں میں دھکیل دینا، خانگی زندگی میں عورت کو اس کے فطری وظائف سے منحرف کر کے اُسے قاضی و جج بلکہ سربراہِ مملکت تک کے مناصب پر براجمان کرنا وغیرہ جملہ اُمور میں سے آخر وہ کون سا امر ہے جسے 'مفکر قرآن' نے کتاب اللہ میں سے کشید کر ڈالنے میں زحمت کشی نہ کی ہو اور وہ مغرب میں پہلے سے موجود نہ ہو۔ وہ اشتراکیت جس کا چوہا جبل قرآن سے کھود نکالنے میں 'مفکر قرآن' نے بڑی زحمت اور مشقت اُٹھائی ہے وہ اُن کے ایسا کرنے سے بہت پہلے روس، چین اور دیگر ممالک میں موجود تھی۔ 'مفکر قرآن' کا اس باب میں اصل 'اجتہادی کارنامہ' یہ ہے کہ اُنہوں نے جو کچھ بھی پیش کیا ہے، اسے مغرب کی اصطلاحوں میں پیش کرنے کی بجائے اپنی اصطلاحوں میں پیش کیا ہے مثلاً وہ اشتراکیت کو پیش کرتے ہیں تو اس کے اصل نام کے ساتھ نہیں بلکہ 'نظام ربوبیت' کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ کارل مارکس کی 'جدلی مادیت' کا فلسفہ ان کے ہاں 'حق و باطل کی کشمکش' قرار پاتا ہے۔ 'تاریخی وجوب' کی قوت کو وہ 'زمانے کے تقاضے' کہہ دیتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ زہر ہلاہل کی بوتل پر آبِ حیات کا لیبل چسپاں کر دینے سے زہر کی اصل حقیقت تو نہیں بدل جاتی۔

الغرض قرآنِ کریم کا بیان یہ ہے کہ رہبانیت کی ابتداء و ابتداع عیسائیوں کے ہاتھوں ہوئی تھی، لیکن ہمارے 'مفکر قرآن' صاحب اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی پہلے کا قائم شدہ مسلک قرار دیتے ہیں۔ قرآن کے مقابلہ میں غیر قرآنی تصورات کو ترجیح دینا 'مفکر قرآن' کے ایمان بالقرآن کی حقیقت کو آفتابِ نصف النہار کی طرح واضح کر دیتا ہے۔

ساتویں مثال: ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام؛ قرآن اور 'مفکر قرآن'

اس آخری مثال میں اس امر کا پھر جائزہ لیا جا رہا ہے کہ زیر بحث معاملہ میں پرویز صاحب اپنے عقائد و تصورات کو تابع قرآن رکھتے ہیں یا نہیں؟ اس ضمن میں اُنہوں نے جو کچھ بھی لکھنا تھا وہ اپنی کتاب 'شعلۂ مستور' میں لکھ چکے ہیں کیونکہ باقی ہر جگہ وہ یہی فرماتے ہیں کہ جسے تفصیل درکار ہو، وہ شعلۂ مستور کی طرف رجوع کرے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں ان کے افکار و نظریات کی آخری ترجمان یہی کتاب ہے، اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں:

www.KitaboSunnat.com

''اس (قرآن) میں بالتصریح کہیں نہیں لکھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی، نہ ہی یہ لکھا ہے کہ آپ یوسف کے بیٹے تھے۔'' (شعلۂ مستور، ص ۱۰۵)

اب جب کہ قرآن سے بالتصریح یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے تھے یا باپ کے ذریعہ تو اس کا لازمی اور منطقی تقاضا یہی قرار پاتا ہے کہ مکمل سکوت اختیار کیا جائے۔ نہ اس بات پر زور دیا جائے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اور نہ ہی اس بات پر کہ وہ باپ کے ذریعہ متولد ہوئے۔ علمی دیانت بھی اسی خاموشی کو لازم ٹھہراتی ہے۔ قرآن کریم کے ایک مخلص اور خداترس طالبِ علم کے لیے بھی صرف اور صرف یہی رویہ شایانِ شان ہے۔ نیز تقویٰ و پرہیزگاری کے علاوہ حکمت و مصلحت کے لحاظ سے بھی عافیت اسی طرزِ عمل میں ہے۔ لیکن ہمارے 'مفکر قرآن' صاحب نہ تو قرآن کی حدود میں رہنا پسند کرتے ہیں (کہ آزادی، انسان کا 'بنیادی حق' ہے، جس سے محروم ہونا اُنہیں پسند نہیں) اور نہ ہی سکوت و خاموشی اختیار کرنا چاہتے ہیں (کہ ایسا کریں تو ان کی عقلِ عیار بیکار اور ان کا شغلِ قلم کاری تعطل کا شکار ہوکر رہ جاتے ہیں) اس لیے وہ خود کو مجبور پاتے ہیں کہ قرآنی 'اَغلال و اِصر' سے آزاد ہوکر دنیائے مغرب کے اسلام دشمن 'محققین' (مثل رینان وغیرہ) کی اتباع میں ابن مریمؑ کو 'ابن یوسف' بنا ڈالیں اور پھر اپنی بے معنی نکتہ آفرینیوں دوراز کار موشگافیوں اور خسیس و رکیک تاویلات کے ذریعہ اپنی ہر لحہ بدلنے والی عقلِ عیار کی خاطر قرآنِ کریم کے محکم اور اٹل حقائق کو توڑا مروڑا جائے۔

پھر حرام ہے جو کبھی 'مفکر قرآن' صاحب یہ سوچیں کہ قرآنی حقائق کی شکست و ریخت کے نتیجہ میں معارف القرآن جلد سوم میں اس بحث پر جو کچھ لکھ چکے ہیں، اس کے ساتھ قدم قدم پر تضادات و تناقضات کا کس قدر وسیع و عریض خارزار پیدا ہورہا ہے۔ بس اب ان کے قلب و ذہن پر ایک ہی دُھن سوار ہے کہ واقعۂ ولادتِ مسیح علیہ السلام سے معجزانہ پہلو کو زائل کردیا جائے، خواہ اس کے لیے ترجمہ آیت اور مفہوم قرآن میں مسخ و تحریف سے کام لینا پڑے یا قواعدِ زبان کو پس پشت ڈالنا پڑے یا بین القوسین اضافی الفاظ کے ذریعہ مدلولاتِ آیات کا حلیہ بگاڑنا پڑے، ان کی بلا سے ؎

www.KitaboSunnat.com

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

قرآن بمقابلہ مغربیت اور روّیۂ پرویز

یہاں 'مفکر قرآن' صاحب کے 'قرآنی ذوق' اور 'علمی مزاج' کا یہ پہلو بھی قارئین کرام سے مخفی نہیں رہنا چاہئے کہ قرآنی تصریحات اور مغربی تحقیقات میں جب تعارض واقع ہوجاتا ہے تو ان کے نزدیک قرآنی تصریحات کی بجائے مغربی تحقیقات ہی شرفِ تقدم کا مستحق قرار پاتی ہیں۔ اس کے لیے ان کی دلیل یہ ہوا کرتی ہے کہ ''ہمارے ہاں تو جمود ہی جمود اور تقلید ہی تقلید ہے، تحقیق و ریسرچ کا کام تو ہے ہی نہیں، یہ تو صرف مغرب ہی میں پایا جاتا ہے۔ لہٰذا تحقیقاتِ مغرب کی طرف رجوع ناگزیر ہے۔'' اس سے قارئین کرام یہ نہ سمجھیں کہ پرویز صاحب تقلید سے بے زار اور گریزاں تھے۔ ایسا ہرگز نہیں تھا، وہ بڑے پختہ مقلد تھے اور انتہائی جامد اور اندھی تقلید میں مبتلا تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ تقلیدِ کہن کی بجائے، تقلیدِ نو پر قائم تھے۔ وہ تقلیدِ قدیم پر خوب برسا کرتے تھے مگر تقلیدِ جدید کا التزام کیا کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد حنبلؒ کی تقلید کی سخت مخالفت (بلکہ مذمت) کیا کرتے تھے۔ لیکن 'امام' کارل مارکس، 'امام' ماؤزے تنگ، 'امام' چارلس ڈارون اور 'امام' رینان کی تقلید جامد پر ڈٹے ہوئے تھے۔ اور وہ بھی اس حد تک کہ اگر کہیں قرآن اور ائمہ مغرب کے موقف میں غیر فیصلہ کن صورتحال (TIE) پڑ جاتی تو وہ مغرب ہی کے اماموں کی پیروی کو ترجیح دیتے ہوئے قرآن کو چھیل چھال کر کتاب اللہ کو مطابق مغرب بنانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ قرآنی تصریحات کو وہ اپنی اُس 'عقل عیار' کی کسوٹی پر پرکھا کرتے تھے جو مغربیت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی اور جسے وہ اپنی 'قرآنی بصیرت' کا نام دیا کرتے تھے۔

ان ساتوں مثالوں سے یہ واضح ہے کہ 'مفکر قرآن' صاحب اگرچہ نام قرآن ہی کا لیا کرتے تھے لیکن ہدایت وضلالت کا اصل معیار اُن کے ہاں تحقیقاتِ مغرب ہی تھیں۔ وہ صحت وسقم کی جانچ پرکھ کے لیے اپنے دل و دماغ میں رچے بسے نظریات کو قرآنِ مجید کی کسوٹی پر پرکھنے کی بجائے اکتشافاتِ مغرب ہی کی کسوٹی پر پرکھا کرتے تھے۔ اپنے قلبی معتقدات کو

www.KitaboSunnat.com

قرآن پر حاوی رکھتے ہوئے ترازو، باٹ اور تولی جانے والی ہر شئے کو غلط ملط کر ڈالنے کے عادی تھے۔ قرآن، قرآن کی رَٹ لگاتے ہوئے بھی وہ اپنے قلبی آرا و افکار، ذہنی نظریات و معتقدات اور دماغی خیالات وتصورات کو اَصل قرار دے کر قرآنِ کریم کو ان کے مطابق ڈھالا کرتے تھے، نہ کہ ان (تخیلات و مزعومات) کو قرآن کے مطابق۔ پھر ایسا کرتے ہوئے وہ ان لوگوں کی روش اپنایا کرتے تھے جو تاویل وتفسیر کے نام پر تحریف وترمیم قرآن پر کمر بستہ رہے ہیں اور یہی رویہ ہمیشہ ہی سے ضالین اور بے توفیق لوگوں کا روّیہ رہا ہے، لیکن بڑی ڈھٹائی اور بلند آہنگی سے وہ الٹا اعلان یہ کیا کرتے تھے:

''ہمارے سامنے، ہدایت اور ضلالت کا معیار قرآنِ مجید ہے۔ اگر ہمیں اپنی ہدایت وضلالت کا اندازہ لگانا ہو تو اس کے لیے ہمیں یہ کرنا چاہئے کہ اپنے دماغ میں جو اعتقادات ہوں، اُنہیں قرآنِ مجید کی کسوٹی پر پرکھیں اور ایسا کرتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس بات کا التزام رکھیں کہ اپنے دماغ کے کسی عقیدہ کو قرآن پر اثر انداز نہ ہونے دیں، ورنہ ترازو، باٹ اور جس چیز کو تولا جا رہا ہے۔ سب خلط ملط ہو جائیں گے اور ہم فیصلہ نہیں کرسکیں گے کہ ہدایت کیا ہے اور ضلالت کیا؟ میرا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو تمام مذاہب، آرا و افکار، عقائد و خیالات کے بارے میں اصل ماننا چاہئے نہ یہ کہ ہم مذاہب وعقائد کو اصل مان کر پھر ان پر قرآنِ مجید کو پرکھیں اور پھر قرآن مجید میں تاویل وتحریف کریں جیسا کہ ضالّین اور بے توفیق لوگوں کا شیوہ رہا ہے۔'' (طلوعِ اسلام: جنوری ۱۹۵۹ء ص ۳۱)

'مفکر قرآن' کا اس 'وعظِ دل پذیر' کے ساتھ عمل کیا ہے، وہ مذکورہ بالا ساتوں مثالوں سے بخوبی عیاں ہے۔

قارئین سے معذرت کے ساتھ: محدث کے چند شمارے دو ماہ کے مشترک شماروں کے طور پر شائع ہو رہے ہیں اور ان کی ضخامت معمول سے زیادہ ہوتی ہے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ فوری طور پر ہر ماہ اشاعت کا سلسلہ بحال کیا جائے۔ تازہ شمارہ کی غیر معمولی تاخیر کی ہنگامی وجہ یہ رہی کہ رمضان المبارک کے مہینے میں محدث کا کمپیوٹر کسی ناعاقبت اندیش نے چوری کرلیا جس سے بہت سے مضامین ضائع ہوگئے، ان مضامین کو دوبارہ تیار کرنے سے حالیہ شمارہ میں مزید تاخیر ہوگئی۔ شمارہ نمبر کا ریکارڈ رکھنے والے حضرات محدث کے سلسلہ نمبر سے استفادہ کرسکتے ہیں۔ بہر حال شمارہ نمبر ۳۳۱ جولائی اور اگست ۲۰۰۹ء کا مشترکہ شمارہ تھا، جبکہ حالیہ شمارہ نمبر ۳۳۲ ستمبر، اکتوبر کا مشترکہ شمارہ ہے، اور اگلا شمارہ نمبر ۳۳۳ نومبر اور دسمبر ۲۰۰۹ء کا مشترکہ شمارہ ہوگا۔ مزید تفصیل کے لئے محدث کے منیجر صاحب کے موبائل نمبر پر آپ رابطہ کرسکتے ہیں۔ محمد اصغر: 0305-4600861

www.KitaboSunnat.com

تحقیق وتنقید

قاری محمد عُزیر
مدیر مرکز الاصلاح، لاہور

''اقبال؛ ایک پیغمبر کی حیثیت سے''

ماہ نامہ آفاق، لاہور کا شمارۂ اپریل ۲۰۰۹ء ہمارے پیش نظر ہے جس میں مذکورہ بالا عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ مضمون کا ایسا عنوان تمام اسلامی مکاتبِ فکر کے نزدیک محل نظر ہے، جس سے ہر ممکن اجتناب کرنا ضروری ہے۔ ہم صاحبِ مضمون کے عقیدہ پر شک نہیں کرتے مگر یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ کچھ آداب اور اصطلاحات ہوتی ہیں جن کو ملحوظ رکھنا انتہائی ضروری ہوتا ہے: مثلاً علیہ السلام اور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصطلاح اللہ کے نبی اور رسول کے لیے مخصوص اصطلاح ہے اور کسی غیر نبی کے لیے از روئے اصطلاح ناجائز ہے۔ اسی طرح صحابی رسول ﷺ کے لیے 'رضی اللہ عنہ' کی قرآنی اصطلاح ہے اور کسی نیک آدمی کے لیے جنہیں اولیاء اللہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے: رحمہ اللہ یا رحمتہ اللہ علیہ کی اصطلاح مستعمل ہے یا کسی زندہ معزز شخصیت کے لیے حفظہ اللہ تعالیٰ اور مدظلہ العالی وغیرہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر کسی بڑی شخصیت کی تعریف کرنا ہو تو اس کے لیے یہ کہا جائے گا کہ وہ بڑا فلاسفر یا بہترین سکالر یا اپنے دور کا لبیب و ادیب یا اپنے دور کا بہترین خطیب یا نابغۂ روزگار یا شہسوارِ خطابت یا آسمانِ نظم ونثر کا آفتاب وغیرہ ہے۔ یہ تعریفی کلمات کسی کے لیے بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں یا آداب کے میدان میں ان کو لیا جاسکتا ہے لیکن نبی، رسول اور پیغمبر کے الفاظ کسی غیر نبی کے لیے استعمال کرنا توہینِ رسالت کی مد میں آجاتا ہے

یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ محمد اکرم ﷺ کمانڈر کی حیثیت سے؛ جناب رسول اللہ ﷺ ایک تاجر کی حیثیت سے؛ آپ ﷺ شوہر کی حیثیت سے؛ ایک باپ کی حیثیت سے؛ ایک بھائی کی حیثیت سے؛ ایک مربی کی حیثیت سے؛ ایک استاد کی حیثیت سے؛ ایک پڑوسی کی حیثیت سے؛ ایک میزبان کی حیثیت سے؛ ایک ناصح کی حیثیت سے؛ ایک تیماردار کی حیثیت سے۔ یہ

www.KitaboSunnat.com

تمام عناوین آپ کے لیے استعمال ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی غیر نبی کے لیے ایسے عناوین یا القاب استعمال کرنا چاہیں تو بھی درست ہے لیکن یہ کہنا کہ فلاں شخص یا زیر نظر ہستی علامہ اقبال ایک پیغمبر کی حیثیت سے تو یہ ترکیب ناجائز ہی نہیں بلکہ کفر تک پہنچنے کی بات ہے۔ کیونکہ کوئی اُمتی، سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے لے کر قیامت تک آنے والا بڑے سے بڑا آدمی پیغمبر کی حیثیت اختیار نہیں کرسکتا۔حتیٰ کہ پیغمبر بھی اگر آئے جیسے عیسیٰ علیہ السلام تو وہ بھی پیغمبر کی حیثیت سے نہیں بلکہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے متبع اور مبلغِ اسلام کی حیثیت سے تشریف لائیں گے۔صحیح احادیثِ رسول اللہ ﷺ میں ہے: لانبي بعدي، لانبوة بعدي، خُتم بي النبيون (میرے بعد نبوت و رسالت ختم ہوگئی)، أنا خاتم النبيين جیسا کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولكن رسول الله وخاتم النبيين﴾

اور آپ ﷺ نے فرمایا: «لوكان بعدي نبي لكان عمر بن الخطاب»

''اگر میرے بعد سلسلہ نبوت جاری رہتا تو عمرؓ نبی ہوتے۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بیٹے دے کر لے لیے تاکہ کسی کو ایسا شائبہ ہی نہ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

عن جابر بن سمرة قال سمعت النبي ﷺ يقول: «إن بين يدي الساعة كذابين فاحذروهم» (صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح: باب اشرط الساعۃ)

''حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت سے پہلے بڑے کذاب ہوں گے، ان سے بچ کر رہنا۔''

جن میں ایک کذاب غلام احمد قادیانی بھی ہے جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور اس کے جھوٹے اور مرتد پیروکار اس کی باطل باتوں کو پھیلا رہے ہیں۔ لعنهم الله

علماء نے اس کی بھرپور تردید کی حتیٰ کہ وہ ذلیل ہوکر جہنم رسید ہوا۔ افسوس کہ ماہ نامہ آفاق نے علامہ اقبال جیسے محبِّ رسول کو ایسی حیثیت سے نوازا جو کفر سے کم نہیں۔ توبہ کیجئے اور اس عنوان کی تردید کرکے اپنے ایمان کو بچانے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ہر قسم کے کفر وارتداد سے محفوظ رکھے۔ آمین!

www.KitaboSunnat.com

حکومتِ الٰہیہ اور جمہوریت

''اللہ کی حکومت.....امن وانصاف کے لیے.....قرآن وسنت کے ذریعے''

اہل مغرب نے آئینِ الٰہی کو پس پشت ڈال کر آسمانی ضابطۂ حیات کو عوام کی اکثریت کا تابع بنادیا جبکہ مشرق نے اہلِ مغرب کی غلامی کو ترقی کا زینہ سمجھ کر قبول کرلیا اور اسلاف کی سیاست سے روگردانی کرلی۔ علامہ محمد اقبالؒ نے مشرق ومغرب کا موازنہ کرتے ہوئے اظہار خیال کیا:

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید
وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ جمہوری

جمہوریت کے لغوی معنی

جمہوریت یا ڈیموکریسی ظہورِ قدسی سے قبل یونان میں رائج رہا۔ 'ڈیموکریسی' یونانی الفاظ ڈیماس (Demos) اور کریشا (Karatos) کا مرکب ہے۔ ڈیماس کا مطلب عوام اور کریشا کا طاقت ہے۔ ڈیموکریسی کا مطلب ہوا 'عوام کی طاقت'۔ گویا حکومت کے ہر مسئلہ میں عوام کی اکثریت کی رائے کا غلبہ ہو۔

جمہوریت کی ابتدا کیسے ہوئی؟

قدیم دور میں یونان پر بادشاہ جبر واستبداد سے حکومت کررہے تھے۔ بادشاہ کی زبان قانون کا دوسرا نام تھی۔ اس کے حکم عدولی کی جرات کسی کو نہ تھی۔ یونان کے مفکرین کو ترکیب سوجھی کہ جب صحت، موت وحیات، نفع ونقصان، بارش وقحط اور فتح وشکست کے الگ الگ خدا ہیں، مالکِ حقیقی نظامِ کائنات چلانے کے لیے دوسرے خداؤں کو اختیارات تفویض کرسکتا ہے اور وہ ان کے معاملات میں دخل نہیں دیتا، تو یونان کا بادشاہ خدا سے زیادہ طاقتور اور بڑا تو نہیں ہوسکتا

www.KitaboSunnat.com

کہ اکیلا ہی تمام اختیارات کا سرچشمہ بنا ہوا ہے۔ عوام نے بادشاہ پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ اختیارات کی تقسیم ہونی چاہئے۔ اس طرح جمہوریت کے نظام کی ابتدا شرک سے ہوئی لیکن ارسطو کے بقول

''جمہوری حکومت انبوہِ گروہی اور جاہلوں کی حکومت ہے جس میں لاقانونیت اور افراتفری کا دور دورہ ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے کوشاں ہوتا ہے۔ ارسطو کے نزدیک یہ بدترین نظام حکومت ہے۔'' ('نظری سیاست' از شاہ فرید الحق)

اسلام کو پیوندکاری کی ضرورت نہیں

خودساختہ نظام ہائے حکومت زندگی کے کسی ایک شعبہ کی اصلاح پر زور دیتے ہیں لیکن اُن میں دوسرے شعبوں کی اصلاح و بہتری کا تصور سرے سے موجود نہیں ہوتا جبکہ اسلام خالق کائنات کا ایسا جامع نظام حیات ہے جو عبادات سے لے کر معاملات تک، ملکی اُمور سے لے کر بین الاقوامی اُمور طے کرنے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

علم سیاسیات کی کوئی کتاب اُٹھا کر دیکھ لیں، دیگر نظاموں کی جو ایک آدھ خوبی بیان کی جاتی ہے، اس کے بعد اس نظام کی خامیوں کا تذکرہ ضرور ملے گا۔ اسلام اللہ ذوالجلال کا نازل کردہ نظام ہے جس میں دیگر نظاموں کی تمام خوبیاں تو بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں اور کسی خامی کا تصور ناممکن ہے۔ اس لیے اسلامی نظام کے ساتھ جدید، فلاحی، ترقی پسند، سوشلسٹ اور جمہوریہ کی پیوندکاری کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ کسی ایک قدر کے مشترک ہونے کی بنا پر خود ساختہ نظام کو اسلامی نہیں کہہ سکتے۔

آج سے چودہ سو سال قبل ربّ کائنات کی طرف سے جو احکامات امام کائنات ﷺ پر نازل ہوئے، وہ ہمارے لیے آج بھی تروتازہ ہیں جن پر عمل پیرا ہونا ہم باعثِ اعزاز سمجھتے ہیں۔ اسی لیے غیر ہمیں بنیاد پرست اور قدامت پسند کہتے ہیں۔ اس کے باوجود اسلام جدت و ترقی پسند مذہب بھی ہے، اس لیے کہ قیامت تک پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے کتاب وسنت کی روشنی میں اہل حل وعقد کے لیے اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے۔

اسلام کا فلاحی نظام ایسا ہے جو بلاامتیاز رنگ ونسل اور مذہب وملت سب کی معاشی ورفاہی

www.KitaboSunnat.com

بنیادی ضروریات فراہم کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔اسلام باہمی اخوت و مودّت کا درس دیتا ہے۔ پڑوسی کے حقوق، فطرانہ، قربانی اور زکوٰۃ کا اجتماعی نظام اس کا بین ثبوت ہے۔ چنانچہ اشتراک و تعاون کی قدر کو مشترک بنا کر سوشلزم سے پہلے 'اسلامی' نتھی کرنا غلط ہے کیونکہ سوشلزم یہودی النسل مارکس کے ذہن کی اختراع ہے۔سوشلزم میں مذہب کا تصور بغاوت کا دوسرا نام ہے۔اس نظام میں انسانی عزت، جان و مال کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔حتیٰ کہ زر اور زمین کی طرح زن (عورت) بھی ریاستی افراد کی مشترکہ ملکیت تصور کی جاتی ہے۔

سوشلزم میں 'انسانی سرچشمہ رزق' کا نظریہ تو کارفرما ہے مگر وہ فرد کی ذاتی ملکیت کو استحصال سمجھتا ہے اور ریاست کا مفاد ہی مرکز و محور ہے۔گویا سیاسی و معاشی قوت سرکاری جماعت میں مرکوز ہوکر رہ گئی اور فرد حکومت کے مقابلے میں بے بس ہوکر رہ گیا۔عملی طور پر لینن، ٹرانسکی اور سٹالن یہودی النسل نے مل کر براہِ راست مارچ ۱۹۱۷ء میں روس پر قبضہ کرلیا۔

دوسری طرف اسلام دین و دنیا کی فوز و فلاح کا نام ہے۔حق ملکیت کی اجازت دیتا ہے لیکن ذخیرہ اندوزی کی ممانعت کرتا ہے۔اسلام صاحبِ ثروت لوگوں کو صدقہ خیرات، عشر زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے تاکہ اپاہج، معذور، یتیم اور عیال دار لوگوں کو روزہ مرہ زندگی کی ضروریات کے لیے کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔اس لیے اسلام ارتکازِ دولت کی بجائے گردشِ دولت کا نظام ہے۔جہادِ افغانستان کی برکت سے سوشلسٹ ممالک میں یہ نظام دم توڑ گیا۔اس لیے اس موضوع پر اب مزید بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔

اسلام میں باہمی اُمور طے کرنے کے لیے مشورہ کا حکم ہے۔اس کو بنیاد بنا کر اسلامی دنیا کے بعض مفکرین نے جمہوریت کو اسلام کی روح کہنا شروع کردیا اور اسلامی جمہوریت کی اصطلاح عام ہوگئی۔اس بنا پر اصلاحی نقطہ نظر سے اپنا موقف پیش کرتا ہوں کہ حکومتِ الٰہیہ کے خدوخال کیا ہیں اور جمہوریت کے جرثومہ سے نیشنلزم، سیکولرازم اور کیپٹل ازم کے وبائی امراض کس طرح پھوٹتے ہیں۔

ڈیموکریسی کی تعریف

ابراہم لنکن نے ڈیموکریسی کی جو تعریف کی ہے، وہ سیاسی حلقہ میں معروف ہے:

www.KitaboSunnat.com

A System of Government of the peoples, for the peoples by the peoples.

''عوام کی حکومت، عوام کے لیے اور عوام کے ذریعے۔''

گویا اس تعریف کی رو سے سیاسی طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ عوام حق رائے دہی کے ذریعے سیاسی و قانونی اختیارات ارکانِ پارلیمنٹ کو منتقل کرتے ہیں اور جمہوری حکومت کا مقصد عوام کی خدمت ہوتا ہے۔

حالاتِ حاضرہ پر نظر دوڑائیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ جمہوری نظام میں عوام ووٹوں کے ذریعے پارلیمنٹ کے ارکان کو منتخب کرنے کے بعد قانون سازی میں بے اختیار ہوجاتی ہے۔ حکومتی اُمور سے متعلق عوام کا عمل دخل متعین عرصہ کے لیے ختم ہوجاتا ہے۔ انتخابی اُمیدوار عوامی حمایت اور ووٹ بنک میں اضافہ کے لیے الیکشن مہم پر لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں۔ یہی ارکان ایوانِ بالا اور قائدِ ایوان کے انتخاب کے موقع پر رفاہی کاموں کی آڑ میں کروڑوں روپے وصول کرتے ہیں، اس لیے ہمیں ایک کالم نگار کی اس تعریف سے اتفاق کرنا پڑتا ہے۔

Government off the people, far the people, buy the people.

'عوام کی حکومت' یا 'اللہ کی حکومت'

اگر آپ اس تعریف عوام کی حکومت، عوام کے لئے، عوام کے ذریعے کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ لیں تو یہ نظریہ عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔

حاکمیت ربِّ ذوالجلال کی: جمہوری حکومت میں حاکمیت کا سرچشمہ عوام ہے جبکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ سارے جہان کے عوام مل کر مکھی بھی تخلیق نہیں کرسکتے، کجا یہ تو قرآن کی زبان میں مکھی چھین کر لے جائے تو واپس نہیں لا سکتے۔ خشک سالی کی وجہ سے فصلیں تباہ و برباد ہورہی ہوں تو عوام مل جل کر قدرتی بارش کا بندوبست نہیں کرسکتے۔

کیا عوام چاہتے ہیں؟ کہ آسمانی بجلی، سیلاب اور زلزلہ سے گاؤں بستیاں تباہ و برباد ہوجائیں اور آناً فاناً ہزاروں جانیں لقمۂ اجل بن جائیں۔ قطعاً نہیں چاہتے لیکن دنیا بھر کے سائنس دان حکمران مل کر بھی ان کا تدارک نہیں کرسکتے۔

www.KitaboSunnat.com

عوامی حکومت کا دم بھرنے والو! جب عوام اپنے نفع و نقصان کے لیے نظام قدرت میں دخل نہیں دے سکتے تو وہ کائنات کا نظام چلانے کے لیے ضابطے کیسے مرتب کر سکتے ہیں۔ یقیناً حاکمیت کا سرچشمہ ربّ ذوالجلال ہے جس کی بادشاہی ارض وسماوات پر چھائی ہوئی ہے جس کا حکم سب کے حکموں پر غالب ہے۔ فرعون کے آرڈر پر اُس کے چیلے بنی اسرائیل کے نومولود بچوں کو قتل کرتے رہے کہ موسیٰ پیدا نہ ہو۔ لیکن ربّ ذوالجلال والاکرام نے نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا بلکہ فرعون کے گھر پال کر اپنا حکم غالب کر دیا۔ اس لئے اللہ کی دھرتی اور اللہ کی مخلوقات پر اللہ کا نظام اور قانون چلنا ہی عین انصاف ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

﴿ان الحکم الا للہ﴾ (یوسف:۴۰) ''اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں (چلتا)۔''

یقیناً اللہ کے حکم کے بغیر درخت کا پتہ بھی حرکت نہیں کر سکتا تو عوام کی حکومت کا دعویٰ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

'عوام کے ذریعے' یا 'قرآن وسنت کے ذریعے'

جمہوری حکومت میں عوام کثرت رائے کی بنیاد پر جس طرح چاہیں، آئینی و قانونی ضابطے بنائیں یا پہلے سے طے شدہ اُمور کو بحث طلب بنا کر ردّوبدل کریں۔ حلال کو حرام قرار دیں یا حرام کو حلال جس طرح ڈنمارک وغیرہ میں عورتوں کی جگہ لڑکوں سے نکاح کرنے کا قانون پاس ہوا اور کوئی روک ٹوک نہیں۔ قانونی طور پر وہ بااختیار ہیں۔

اسلامی جمہوری ملک میں کوئی سود کی کمائی سے عیش وعشرت کی زندگی گزار رہا ہو۔ شراب پی کر کلب میں ڈانس کر کے اپنا غم غلط کرنے کی کوشش کر رہا ہو، کوئی غیراللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے حلال جانور یا خنزیر کا گوشت کھا رہا ہو، خواہ کوئی آوارہ فحش فلمیں دیکھ کر شیطانی قہقہے مار رہا ہو۔ جب تک اس ملک کی پارلیمنٹ کثرتِ رائے سے اُن کو قانونی طور پر جرم قرار نہیں دیتی اُس وقت تک ایسے مذموم اُمور قانون کی نظروں میں جرم نہیں بن سکتے۔

قرآنِ حکیم اسلامی حکومت کا دستور ہے جس میں خالق کائنات نے بنی نوع انسان کی بھلائی کے لیے سُود مند اشیا کو حلال اور ضرر رساں چیزوں کو حرام کر دیا ہے۔ اللہ نے ہی اپنی مخلوق کو صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے اور طاغوتی راستوں سے بچانے کے لیے خاتم النّبیین ﷺ

www.KitaboSunnat.com

کو مبعوث کر کے احسانِ عظیم فرمایا۔ حامل قرآن سید الکونین ﷺ کی سنت ملتِ اسلامیہ کے لیے قانون ہے۔ جس میں ترمیم کرنے کا اختیار کسی کو نہیں جبکہ اسلامی جمہوری ملک میں قرآن وسنت کے اٹل قانون کے نفاذ کے لیے پارلیمنٹ کی منظوری لینی پڑتی ہے۔

معاشرہ میں عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے قاتل سے قصاص لینے، چور کے ہاتھ کاٹنے اور زانی کو سنگسار کرنے کا حکم ہے۔ لیکن جمہوری ملک میں جب تک پارلیمنٹ کثرتِ رائے کی بنیاد پر ان قوانین کو منظور نہیں کرتی، اس وقت یہ حدود و قیود اسلامی جمہوری ملک میں لاگو نہیں ہوسکتیں۔ چنانچہ ایسی حکومت جو اللہ کے نازل کردہ احکام کو نافذ نہیں کرتی وہ حکومت خود کو اسلامی حکومت کہلوانے کی حق دار نہیں بلکہ قرآن میں واضح طور پر ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ... هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ... هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (المائدۃ:۴۴تا۴۷)

''جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی کافر ہیں، وہی ظالم ہیں اور وہی فاسق ہیں۔''

اگر مجلس شوریٰ کا آپس میں یا امیر کے ساتھ کسی قانون کے نفاذ کے طریقۂ کار میں اختلاف پیدا ہوجائے تو قرآن نے ایسے موقع پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف پلٹ جانے کا حکم دیا ہے:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (النساء:۵۹)

جس طرح خلفاے راشدینؓ اپنے دورِ خلافت میں اس اُصول پر عمل کرتے رہے۔ امام کائنات ﷺ کی وفات کے بعد بعض عرب قبائل مرتد ہونے لگے۔ کچھ قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا۔ ان نازک حالات میں حضرت ابوبکرؓ نے شوریٰ سے جیش اسامہؓ کی روانگی کے متعلق مشورہ کیا۔ شوریٰ فوری طور پر لشکر کی روانگی کے خلاف تھی لیکن حضرت ابوبکرؓ نے دوٹوک الفاظ میں فیصلہ دیا:

''اُس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں ابوبکرؓ کی جان ہے، اگر مجھے یہ یقین ہو کہ درندے آ کر مجھے اُٹھا لے جائیں گے تو بھی میں اسامہؓ کا لشکر ضرور بھیجوں گا جیسا کہ حضورِ اکرم ﷺ نے حکم دیا تھا اور اگر ان آبادیوں میں میرے سوا کوئی شخص بھی باقی نہ رہے تو بھی میں یہ لشکر ضرور

www.KitaboSunnat.com

روانہ کروں گا۔'' (طبری: جلد۳ رص۲۲۰ بحوالہ خلافت و جمہوریت)

حضرت ابوبکرؓ نے فرمانِ رسول ﷺ کو مقدم سمجھ کر لشکر روانہ کیا جو فتح یاب ہوکر واپس آیا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مہاجرین و انصار کو جمع کرکے مانعینِ زکوٰۃ کے بارے مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

''اے خلیفہ رسول! میری رائے تو یہ ہے کہ آپ اس وقت عرب سے نماز ادا کرنے ہی کو غنیمت سمجھیں اور زکوٰۃ چھوڑنے پر مؤاخذہ نہ کریں۔ یہ لوگ ابھی ابھی اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ آہستہ آہستہ تمام اسلامی فرائض و احکام تسلیم کرکے سچے مسلمان بن جائیں گے۔ اللہ اسلام کو قوت دے دے گا تو ہم ان کے مقابلے پر قادر ہوجائیں گے، لیکن اس وقت تو مہاجرین و انصار میں تمام عرب و عجم کے مقابلے کی سکت نہیں۔''

حضرت عمرؓ کی رائے سن کر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور تمام مہاجرین و انصار اس رائے کے حق میں یک زبان ہوگئے۔ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! میں اس شخص سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔ اس لیے کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے (جیسے نماز جسم کا) اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ مجھے ایک بکری کا بچہ بھی نہ دیں گے جو آنحضرت ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں اس کی ادائیگی پر ان سے ضرور لڑوں گا۔''

(صحیح بخاری: ۱۴۰۰، صحیح مسلم: ۲۰)

حضرت عمرؓ نے کہا: اللہ کی قسم! اس کے بعد میں سمجھ گیا کہ ابوبکرؓ کے دل میں جو لڑائی کا ارادہ ہوا ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈالا ہے اور میں پہچان گیا کہ حضرت ابوبکرؓ کی رائے حق ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کا عزمِ مصمم کرکے نکل کھڑے ہوئے تو حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ تھام لی اور فرمایا: اے خلیفہ رسول! آج میں آپ سے وہی بات کہتا ہوں جو آپ نے غزوۂ اُحد کے دن رسول اللہ ﷺ کو کہی تھی:

''اپنی تلوار کو میان میں کیجئے اور ہمیں اپنی ہستی سے محروم نہ کیجئے۔ اللہ کی قسم! اگر آپ کے قتل کی مصیبت ہم پر پڑ گئی تو پھر آپ کے بعد اسلام کا نظام کبھی درست نہ ہوگا۔''

(کنز جلد۳ رصفحہ ۱۴۳ بحوالہ خلافت و جمہوریت)

ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ کی کثرتِ رائے کی بجائے قرآن وسنت کی

www.KitaboSunnat.com

دلیل معیارِ حق ہے۔موجودہ جمہوری دور کی کثرتِ رائے کو کیا اتھارٹی حاصل ہے کہ آئی ایم ایف کے معاہدوں کا بہانہ بنا کر سود کو حرام قرار دینے میں مہلت طلب کریں۔زانی کو سنگسار کرنے کے لیے اسلامی معاشرہ کی بحالی کا بہانہ بنائیں، اور چور کے ہاتھ کاٹنے کے لیے معاشرہ میں غربت کا رونا روئیں۔اگر 'عوام کے ذریعے' سے یہ اخذ کیا جائے کہ عوام نے ووٹ دے کر اُسے منتخب کیا، تب اُسے اقتدار کی کرسی ملی تو یہ نظریہ باطل ہے۔کیونکہ اسلام میں اقتدار کا سرچشمہ ربّ ذوالجلال ہے۔قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

(اے پیارے حبیب ﷺ!) کہہ اے میرے اللہ، سارے ملک کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہ بنا دے اور جس سے چاہے بادشاہت چھین لے اور تو جس کو چاہے عزت دے اور تو جس کو چاہے ذلت دے۔ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، بے شک تو سب کچھ کرسکتا ہے۔'' (آلِ عمران:۲۶)

جمہوری نظام میں اقتدار کی خاطر دربدر کی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔تائیدی سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لیے وائٹ ہاؤس کا طواف کرنا پڑتا ہے جبکہ اسلام میں اقتدار کی طلب حرام ہے۔تاریخ میں بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ قادرِ مطلق اس کو حکومت دے دے جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ ہو۔جب منافقت کی سزا دینے پر آئے تو وہی قدیر قہار بن کر اُسے رہتی دنیا تک عبرت کا نشان بنا دے۔ایسے موقع پر فوج ظفر موج بھی عاجز ہوجائے، بھاری مینڈیٹ بھی کچھ کام نہ آئے، بے شک اللہ ہر کام پر قادر ہے!!

عوام کے لیے یا امن وانصاف کے لئے؟

جمہوری حکومت کی سب سے بڑی خوبی یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ عوام کی خدمت کے لیے ہمہ وقت سرگرم عمل رہتی ہے۔عوامی فلاح و بہبود کی خاطر ہر گاؤں میں تعلیمی ادارے اور صحت کے مرکز قائم کرتی ہے۔آمدورفت کے لیے سڑکوں، شاہراہوں کا انتظام کرتی ہے۔پینے کے لیے پانی اور نکاسی کے لیے نالیوں کا بندوبست کرتی ہے۔جس کی پبلک لیول پر تشہیر کی جاتی ہے تاکہ عوام راضی ہوجائیں اور آئندہ الیکشن میں ووٹ دے کر اُسے کامیاب کریں۔اسلام میں اس طرح ریاکاری کی خدمت ہلاکت کا موجب بنتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

خلافتِ اسلامیہ میں ربّ کی رضا پیش نظر رکھ کر خدمت کا فریضہ سرانجام دیا جاتا ہے۔ جب لوگ سو جاتے ہیں تو خلیفہ وقت حضرت عمر فاروقؓ اُٹھ کر پہرہ دیتے ہیں۔کسی کی آہ و زاری سنتے ہیں تو اُن کی خدمت کے لیے اپنی پیٹھ پر نان ونفقہ کا بوجھ اٹھا کر مالک حقیقی کو راضی کرتے ہیں۔جمہوری حکومت عوام کی ظاہری خدمت کرکے پھولے نہیں سماتی جبکہ خدمت اسلامیہ فرد کی روحانی خدمت کے لیے تعلیم وتزکیہ پر بھی خصوصی توجہ دیتی ہے تاکہ وہ معاشرہ کا مفید رکن بن کر دنیا وآخرت کی زندگی سنوار لے۔

صحیح جمہوری حکومت میں خدمت کا تصور بنی نوع انسان تک محدود ہے جبکہ خلافت اسلامیہ میں انسانی خدمت تو اس کا ادنیٰ جزو ہے۔ اسلامی حکومت کا مقصد اوّلین عدل و انصاف کا قیام ہے جس کا دائرہ کار وسیع ہے۔اسلام ہمیں درند، چرند، پرند، جن و انس، حیوانات اور حشرات الارض سے بھی عدل وانصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔جانوروں پر اُن کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہ لادو۔جانوروں کو آپس میں لڑنا حرام ہے۔لید اور ہڈی کے ساتھ استنجا نہ کرو کیونکہ ہڈی تمہارے بھائی جنوں کا توشہ ہے۔(جامع ترمذی:۱۸)

حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:''تم میں سے کوئی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔''

(سنن نسائی:۳۴،قال الالبانیؒ:ضعیف)

محدثین فرماتے ہیں:سوراخوں میں پیشاب کرنے سے اس لیے منع فرمایا کہ کہیں سانپ، بچھو وغیرہ سے پیشاب کرتے وقت ایذا نہ پہنچے یا کسی جانور کو پیشاب سے تکلیف ہوگی۔

حضرت عمر فاروقؓ کا قول خلافت اِسلامیہ کے عدل وانصاف کا منہ بولتا ثبوت ہے:

''اگر دجلہ کے کنارے بھوک کی شدت سے کتا مرگیا تو قیامت کے دن اُس کی جواب طلبی مجھ سے ہوگی۔'' (تاریخ اسلامی کا سنہرا دور از ایم ڈی فاروق،ص۴۹۶)

دوسری طرف دیکھیں تو جمہوری ملک ہالینڈ میں قانونی طور پر لاعلاج مریضوں کو ڈاکٹروں کے ذریعے موت کی نیند سلانے کی اجازت دی جاچکی ہے۔ اور ایوانِ زیریں کے بعد سینیٹ نے بھی اذیتیں سہنے والے مریضوں کو مارنے کا بل منظور کرلیا۔'' (نوائے وقت:۱۳/اپریل ۲۰۰۱ء)

کیا یہ عوام کی خدمت ہے یا انسانیت کی ہلاکت!

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ جمہوری نظام کی تعریف: ''عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لئے'' کا ہر پہلو اسلام سے متصادم ہے۔ لیکن کی جمہوریت کی تعریف کے مدمقابل خلافتِ اسلامیہ کی جامع تعریف پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:

A Government of the Allah, for the Piece and Justice by the Quran and Sunnah.

''اللہ کی حکومت.....امن وانصاف کے لیے.....قرآن وسنت کے ذریعے''

جمہوری الیکشن کے دوران نمائندگان کے لیے اہلیت و قابلیت کی شرائط دفن ہوجاتی ہیں۔ سرمایہ دار و جاگیردار طبقہ دھن دھونس دھاندلی کی بنیاد پر منتخب ہوتے ہیں۔ برسراقتدار جماعت کے نمائندے اپنے علاقے کے سیاہ وسفید کے مالک بن جاتے ہیں۔ مقامی سطح سے لے کر مرکزی سطح تک تمام محکمے ان کے زیرسایہ ہوجاتے ہیں۔ وہ اپنی پارٹی مضبوط کرنے کے لیے اپنے ووٹروں کا ہر جائز و ناجائز کام ان سے لیتے ہیں۔ حکم عدولی کی صورت میں معطل یا تبادلے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

عدالتوں میں خود ساختہ قانون نافذ ہے۔ جہاں مقدمے کی سماعت اور حتمی فیصلے تک طویل عرصہ گزر جاتا ہے۔ مظلوم عدالتوں کا چکر لگا کر تھک جاتا ہے۔ بعض وکیل حق کی نشاندہی ہوجانے کے باوجود جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنے کے لیے عدل وانصاف کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ مظلوم جب عدالتی کارروائیوں سے مایوس ہوجاتا ہے تو وہ اپنی برسراقتدار پارٹی کے دور میں قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر مخالفین سے انتقام لیتا ہے۔ اگر مدعی و مدعاعلیہ ایک ہی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں تو سیاسی لیڈر صلح کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ بالفرض مظلوم مخالف سیاسی جماعت سے وابستہ ہو تو سیاسی دباؤ ڈال کر ظالم کو قانون کی نظروں میں بے گناہ ثابت کرا کر دم لیتے ہیں۔ گویا جمہوری نظام عدل وانصاف کی راہ میں آہنی دیوار ہے۔

جبکہ اسلامی نظام حکومت میں امیر غریب، مسلم و غیر مسلم کا امتیاز نہیں برتا جاتا۔ یہودی اور نومسلم کا مقدمہ عدالتِ نبویؐ میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے دلائل سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ کیا جس سے متاثر ہوکر وہ مسلمان ہوگیا۔

خلیفہ وقت حضرت علی حیدر کرارؓ نے یہودی کے خلاف زرہ کی چوری کا مقدمہ عدالت میں

www.KitaboSunnat.com

پیش کیا۔ قاضی شریحؒ نے مقدمہ اس بنا پر خارج کر دیا کہ ایک گواہ حضرت حسنؓ خلیفہ وقت کا بیٹا تھا اور دوسرا گواہ قنبرؓ آپ کا غلام تھا۔ یہودی نظامِ عدل سے متاثر ہوکر مسلمان ہوگیا اور چوری کے جرم کا اقرار کر کے حضرت علیؓ کی صداقت کا اعتراف بھی کرلیا۔

نظامِ خلافت ظالم کو ظلم سے روکنے اور مظلوم کا ساتھ دینے کا حکم دیتا ہے۔ آج کے جمہوری دور میں اس قسم کے عدالتی نظام کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے

جمہوری نظام میں حق بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہر شہری کے ووٹ کی قدر و قیمت یکساں ہے۔ اس نظام کے تحت جھوٹا اور سچا، فاسق اور مؤمن، بنیا اور نابینا، بے نماز اور متقی، جاہل اور شیخ الحدیث، اَن پڑھ اور پی ایچ ڈی، چور ڈاکو، زانی، قاتل اور عدلیہ کے جج کی رائے کی اہمیت برابر ہے۔ جمہوری نظام میں رائے کو پرکھنے کی بجائے رائے کو شمار کیا جاتا ہے جس کو عقل سلیم بھی تسلیم کرنے سے عاجز ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس نکتہ کو یوں بیان فرمایا:

جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے

اسلام میں مساوات کا یہ تو اُصول موجود ہے کہ اسلام میں داخل ہوکر رنگ و نسل، دولت، عہدہ، زمین اور جائیداد کے امتیاز ختم ہوجاتے ہیں اور سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوکر اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پڑھتے ہیں۔ اسلامی حکومت میں کسی مسلمان کو کسی یہودی، عیسائی یا ہندو کی عزت، جان و مال سے کھیلنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اگر جرم کرے گا تو اس کو اسی طرح سزا ملے گی جس طرح کسی غیر مسلم کو مسلمان پر ظلم کرنے کی سزا موجود ہے۔ تاہم فہم و فراست کے لحاظ سے سب کے مساوی ہونے کا قائل نہیں۔ قرآنِ حکیم میں واضح ارشاد ہے:

''یعنی کہہ دیجئے کیا عالم اور جاہل برابر ہوسکتے ہیں۔'' (الزمر:۹)

''کیا اندھا اور آنکھ والا برابر ہوسکتے ہیں۔'' (الانعام:۵۰)

''کیا وہ (جو انصاف کا حکم نہیں دیتا اور سیدھے راستہ پر نہیں چلتا) اور وہ جو انصاف کا حکم دیتا ہے اور سیدھے راستہ پر چلے، دونوں برابر ہوسکتے ہیں۔'' (النحل:۷۶)

ہرگز برابر نہیں ہوسکتے تو اُن کی رائے کو یکساں اہمیت کیسے حاصل ہوسکتی ہے!!

www.KitaboSunnat.com

خفیہ بالغ رائے دہی سے منافقت کے جراثیم جنم لیتے ہیں

قرونِ اولیٰ کے دور میں خفیہ بالغ رائے دہی کا تصور تک نہ تھا۔ تاریخ اسلام کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حل وعقد کے مشورہ سے نامزدگی ہوتی۔ بعدازاں مسجد میں بیعتِ عام ہوتی جس میں سب حصہ لیتے۔خلفاے راشدین کا تقرر اس کا بین ثبوت ہے۔اگر کسی نے خلیفہ کی نامزدگی پر اختلاف کیا تو اس نے علانیہ بیعت کرنے سے انکار کردیا۔

خفیہ بالغ رائے دہی سے اُمتِ مسلمہ میں منافقت کے جراثیم جنم لیتے ہیں۔وہ بزدل ہوکر باطل سے سمجھوتہ کرنے پر آمادہ ہوجاتی ہے۔الیکشن کے دوران انتخابی حلقہ میں کئی امیدواروں کے مابین مقابلہ ہوتا ہے۔ ہر اُمیدوار حمایت کے لیے ووٹروں کے دروازے پر دستک دیتا ہے۔علاقے میں نمائشی خدمات کا تذکرہ کرتا ہے اور جلسوں میں عوامی مطالبہ پر سماجی ورفاہی اداروں کے اجرا کے وعدے کرتا ہے۔ جب کامیاب ہوتا ہے تو اپنے بلند بانگ دعوؤں کو فراموش کردیتا ہے۔

دوسری جانب عموماً ووٹر بھی خفیہ بالغ رائے دہی کے تحت اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ ہراُمیدوار سے وہ ووٹ دینے کا وعدہ کرتا ہے۔کہیں تو اسے برادری، رشتہ داری کی مجبوری ہوتی ہے اور کہیں اُسے سرمایہ دار، جاگیردار، وڈیروں کا خوف لاحق ہوتا ہے کہ کہیں اُس کی جان و مال کے دشمن نہ بن جائیں یا اُسے زمین سے بے دخلی کا پروانہ نہ تھما دیں۔اس طرح ایک ووٹر ایک اُمیدوار کو ووٹ دے کر دوسرے اُمیدواروں سے وعدہ خلافی کرتا ہے۔ خفیہ رائے دہی سے فائدہ اُٹھا کر دوسرے امیدواروں کے سامنے جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔

انتخابی حلقوں میں جو اُمیدوار سامنے آتے ہیں، وہ عموماً تقویٰ، اہلیت کے اعتبار سے اپنے حلقے کی امارت کے حق دار نہیں ہوتے تو ووٹر ان نااہل امیدواروں میں سے کسی ایک کو ووٹ دے کر منافق کی تیسری علامت امانت میں خیانت کا ارتکاب کرتا ہے۔

جبکہ بیعت عام (Show Hand) سے مسلمانوں میں اسلاف کے جوہر صدق، ایفائے عہد اور امانت کے علاوہ حق کی خاطر باطل سے ٹکرانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔اسی جذبہ جہاد کو یہود نے خفیہ بالغ رائے دہی سے مدہم کرنے کی کوشش کی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

جمہوری چمپئن اعتراض کرتے ہیں کہ ووٹنگ کے بغیر انتخابات مکمل نہیں ہوتے اور ملکی اُمور طے نہیں پاسکتے، یہ سراسر پراپیگنڈہ مہم ہے۔اسلامی حکومت کے ارکانِ شوریٰ باہمی مشورہ سے پیش آمدہ مسائل حل کرتے ہیں۔ چونکہ مشورہ مقدس امانت، شہادت ہے جس کی اہلیت کے لیے ایمان، تقویٰ کا معیار موجود ہے کہ وہ امین، اہل ذکر (عالم باعمل) اور تحقیق کرنے والا ہو:

''شوریٰ کا مطلب رائے کو پختہ کرنا ہوتا ہے۔شہد کی مکھیاں جوشہد بناتی ہیں، اس عمل کو عربی میں شوریٰ کہتے ہیں۔جس طرح وہ مختلف پھلوں اور پھولوں سے رس لے کر شہد تیار کرتی ہیں اسی طرح مسلمان اہل شوریٰ بیٹھ کر مختلف تجاویز دیں گے۔ وہ تمام تجاویز پختہ ہوتی چلی جائیں گی، چونکہ ہر شخص کے دل میں ملت کا درد ہوگا، وہ خلوص سے اختلاف بھی کرے گا اور اتفاق بھی بالآخر مسئلہ حل کر ہی لیا جائے گا۔''

خلفاے راشدین کے تقرر کے واقعات کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کسی کا تقرر عام بالغ رائے دہی کی بنیاد پر نہیں ہوا۔حضرت ابوبکرؓ کے تقرر میں صرف وہی حضرات شریک ہوئے جو سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود تھے، پورے ملک کے بالغ افراد تو کجا مدینہ منورہ کے بالغ افراد بھی اس رائے میں شریک نہ تھے۔دوسرے دن مسجدِ نبوی میں بیعت عام کر کے مسلمانوں نے اطاعت کا اظہار کیا۔مزید تفصیل کے لئے اسی موضوع پر میرا مضمون محدث کے شمارۂ جون ۲۰۰۹ء میں ملاحظہ کیجئے۔

اکثریت کا دعویٰ فراڈ ہے!

جمہوریت میں اکثریت حکومت کرتی ہے۔ یہ دعویٰ ایک فراڈ ہے۔آپ اپنے انتخابی حلقہ کے کل ووٹ اور امیدواروں میں سے جیتنے والے امیدوار کے حاصل کردہ ووٹوں کا تناسب مدنظر رکھیں تو آپ پر حقیقت واضح ہوجائے گی کہ ارکان اسمبلی کو آبادی کی اقلیت منتخب کرتی ہے۔

بظاہر عوام کی حکومت اور آزادی کا ڈھونگ ہے، عملی طور پر لاکھوں کی تعداد میں عوام کو پارلیمنٹ کے مخصوص افراد کی رائے کا پابند بنا دیا جاتا ہے۔ پھر پارلیمنٹ میں سے چند افراد کابینہ میں شامل ہوکر پورے ملک پر حکومت کرتے ہیں۔

شاہی دربار میں عسکری قوت کے بل بوتے پر ریاستی امرا بھی درباری مراتب حاصل کرتے

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ اس کے باوجود علمی وفنی صلاحیت کی بنیاد پر علما و ماہرین کو شاہی دربار میں عزت و مرتبہ حاصل ہوجاتا تھا۔ جن سے بادشاہ اُن کی صلاحیتوں کو مدنظر رکھ کر مشورہ کرکے اُمور سلطنت سرانجام دیتے تھے۔ لیکن موجودہ دور کے جمہوری نظام میں قوت، سرمایہ اور جاگیر کے بل بوتے پر سرمایہ دار اور جاگیردار ہی منتخب ہوتے ہیں۔ علماء، دانشور اور فنی ماہرین جمہوری کھیل سے کنارہ کش ہوجاتے ہیں۔ اور جو حصہ لیتے ہیں اُن میں سے اکثر عوامی مذہب کے عوامی علماء بن کر رہ جاتے ہیں۔

تقویٰ وصلاحیت معروف شے ہے!

روز مرہ زندگی کا مشاہدہ ہے کہ حکومت کے کسی محکمہ میں خالی آسامی ہو تو تعیناتی کے لیے اُمیدواروں کے مابین الیکشن نہیں کرائے جاتے بلکہ اُن کی تعلیمی قابلیت و پیشہ وارانہ مہارت دیکھ کر بھرتی کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر کی آسامی پُر کرنے کے لیے صرف ایم بی بی ایس ڈگری ہولڈر سے انٹرویو لیا جاتا ہے۔ جبکہ ایل ایل بی کی ڈگری کی بنیاد پر درخواست دینے والے امیدوار کی درخواست داخل دفتر ہوجاتی ہے۔ سفر وحضر میں امام مقرر کرنا ہو تو نہ کوئی اپنا نام پیش کرتا ہے، نہ ہی حاضرین کے مابین ووٹنگ ہوتی ہے بلکہ اہلیت کو معیار بنا کر کسی ایک کو ذمہ داری سونپ دی جاتی ہے۔ پنچایتی مقدمہ میں قسم صفائی کے لیے کچھ ناموں کو رَدّ کرکے چند ناموں پر مدعی اور مدعا علیہ کسی طرح اتفاق کر لیتے ہیں، اس لیے کہ اُن کی دیانت، صداقت اور زہد تقویٰ معاشرہ میں معروف ہوتا ہے۔

ملک کے دیگر شعبوں میں تعیناتی کے لیے تعلیمی و پیشہ وارانہ صلاحیت مدنظر رکھ کر اہل افراد کو تعینات کیا جاتا ہے۔ جنہوں نے صرف طے شدہ قانونی ضابطوں پر عمل درآمد کرنا ہوتا ہے لیکن وہ ادارہ جس کے ذمہ قرآن وسنت کے ضابطوں کو لاگو کرنے کے لیے حالاتِ حاضرہ کے تحت طریقہ کار وضع کرنا ہے۔ اس ادارہ کے اراکین کے لیے دینی و دنیوی تعلیم اور فنی صلاحیت کا کوئی معیار ملحوظ نہیں رکھا جاتا بلکہ اس کے انتخاب کے لیے کثرتِ رائے پر عمل کیا جاتا ہے، یہ عجب تماشا ہے۔ جبکہ مجلس شوریٰ اسلامی تعلیم وتزکیہ کے علاوہ فنی واقتصادی ماہرین پر مشتمل تشکیل دی جاسکتی ہے کیونکہ زندگی کے ہر شعبہ میں کچھ لوگ اپنے تقویٰ وصلاحیت کے لحاظ سے معروف ہوتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

معیشت واقتصاد

حافظ ذوالفقار علی☆

خرید وفروخت کے زرّیں اسلامی اُصول

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک کسی معاشرہ کے معاشی اور مالی معاملات مناسب اُصول وضوابط کے پابند نہ ہوں، تب تک اس معاشرہ کی منصفانہ تشکیل ممکن نہیں۔ اسلام چونکہ منصفانہ معاشرہ قائم کرنے کا داعی ہے، اس لیے اسلام نے لین دین اور تجارتی تعلقات کے متعلق نہایت عمدہ اور جامع اُصول عطا کئے ہیں جن کی روشنی میں ہم اپنی معیشت کو صحت مند بنیادوں پر استوار کر سکتے ہیں۔

معیشت وتجارت کے حوالہ سے دین اسلام کا ایک نمایاں وصف ہے کہ یہ نہ تو سرمایہ دارانہ نظام کی طرح لوگوں کو کھلی چھٹی دیتا ہے اور نہ ہی آہنی زنجیروں میں جکڑتا ہے۔ بلکہ اس کا رویہ اعتدال پر مبنی ہے کہ جہاں اپنے ماننے والوں کو تجارت کے ذریعے کسبِ مال کی ترغیب دیتا ہے، وہاں ایسے رہنما اُصول بھی پیش کرتا ہے جن کو ملحوظ رکھنا اشد ضروری ہے۔ ان اُصولوں کی پابندی کر کے جو بھی لین دین کیا جائے، وہ شریعت کی نگاہ میں جائز تصور ہوگا خواہ وہ دور جدید کی ہی پیداوار ہو، یعنی اسلام کا رویہ معتدل ہونے کے ساتھ ساتھ جامع اور لچک دار بھی ہے جو ہر دور کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اسلام جہاں معاشی ترقی کا خواہاں ہے، وہاں دینی، روحانی اور اخلاقی ہدایات کا معلم بھی ہے جن کی خلاف ورزی کر کے فلاحی نظامِ معیشت کا قیام ممکن نہیں، اس لیے اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ انسان حصولِ مال کی خاطر بے مہار ہوجائے اور حلال وحرام کا امتیاز ہی ختم کر دے کیونکہ اس طرح معاشی بگاڑ پیدا ہوتا ہے جس سے پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے، اس لیے اسلامی ریاست میں ان لوگوں کو کاروبار کی اجازت نہیں ہے جو

☆ شیخ الحدیث ابوہریرہ شریعہ کالج، لاہور

www.KitaboSunnat.com

ان احکام سے واقف نہ ہوں جو اسلام نے تجارت کے سلسلے میں دیئے ہیں، چنانچہ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ بن خطاب کا فرمان ہے:

لَا يَبِيعُ فِي سُوقِنَا إِلاَّ مَنْ تَفَقَّهَ فِي الدِّيْنِ

(جامع ترمذی:۴۸۷،أبواب الوتر، باب ما جاء في فضل الصلاة على النبيﷺ)

''ہمارے بازاروں میں وہی خرید وفروخت کرے جسے دین (تجارتی احکام) کی سمجھ ہو۔''

تیرھویں صدی ہجری کے مالکی فقیہ مَحْمَد بن احمد الرہونیؒ (متوفی ۱۲۳۰ھ) نے اپنے شیخ ابومحمدؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

''کہ اُنہوں نے مراکش میں محتسب کو بازاروں میں گشت کرتے دیکھا، جو ہر دکان کے پاس ٹھہرتا اور دکان دار سے اس کے سامان سے متعلق لازمی احکام کے بارہ میں پوچھتا اور یہ دریافت کرتا کہ ان میں سود کب شامل ہوتا ہے اور وہ اس سے کیسے محفوظ رہتا ہے؟ اگر وہ صحیح جواب دیتا تو اس کو دکان میں رہنے دیتا اور اگر اسے علم نہ ہوتا تو اسے دکان سے نکال دیتا اور کہتا تیرے لیے مسلمانوں کے بازار میں بیٹھنا ممکن نہیں تو لوگوں کو سود اور ناجائز کھلائے گا۔''

(أوضح المسالك بحواله بحوث فقهية في قضايا اقتصادية معاصرة ج۱/۱۴۵)

اسلامی تعلیمات سے نا آشنا بعض حلقے یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ معیشت وتجارت کے بارہ میں اسلامی احکام پر عمل کرنے سے ہمارا سارا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا اور ہم معاشی اعتبار سے بہت پیچھے رہ جائیں گے، مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ حقیقی اور دیرپا ترقی کے لیے تجارتی سرگرمیوں کو مناسب اُصول وضوابط کے دائرہ میں رکھنا انتہائی ضروری ہے۔حقیقت پسند ماہرین کے نزدیک موجودہ معاشی بحران کا بنیادی سبب معاشی سرگرمیوں کا اخلاقی قیود اور پابندیوں سے مستثنیٰ ہونا ہے اور مارکیٹ کو اخلاقی ضوابط کا پابند بنا کر معیشت میں بہتری پیدا کی جاسکتی ہے۔

اور اگر یہ ناقدین اسلام کے تجارتی احکام کا حقیقت پسندی سے جائزہ لیں تو خود گواہی دیں گے کہ اسلامی طریقۂ تجارت میں شتر بے مہار آزادی، ہوس، مفاد پرستی اور خودغرضی کو کنٹرول کرنے کا شاندار میکانزم موجود ہے اور یہی وہ خرابیاں ہیں جو معاشرے کے اجتماعی مفادات پر اثر انداز ہوتی ہیں اور معاشی بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں کا باعث بنتی ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

یہ حقیقت ہے کہ اکثر و بیشتر صحابہ کرامؓ تجارت پیشہ تھے اور ان کی تمام کاروباری سرگرمیاں شریعت کے تابع ہی ہوتی تھیں مگر اس کے باوجود اُنہوں نے معاشی میدان میں بے مثال ترقی کی، ہر طرف مال و دولت کی فروانی، آسودگی اور خوش حالی عام تھی اور وسیع اسلامی مملکت میں کوئی زکوٰۃ قبول کرنے والا نہ ملتا تھا۔ معاشی اعتبار سے کمزور ترین افراد بھی زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل ہو گئے تھے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ معاشی ترقی کے لیے بے قید آزادی ناگزیر نہیں بلکہ یہ مقصد حدود وقیود کے اندر رہ کر بھی بخوبی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

لین دین کے وہ کونسے احکام ہیں جو شریعت کی رو سے لازمی اور واجب التعمیل ہیں، ذیل میں اس کی تفصیل پیش خدمت ہے:

بیع کا تعارف

مناسب ہوگا کہ خرید وفروخت کے متعلق احکامِ شرعیہ بیان کرنے سے قبل بیع کا مفہوم واضح کر دیا جائے کیونکہ کتبِ حدیث میں لین دین کے معاملات اور ان سے متعلقہ احکام بالعموم کتاب البیُوع کے تحت ذکر ہوتے ہیں، قرآن نے بھی ان معاملات کے لیے یہی اصطلاح استعمال کی ہے جبکہ ہمارے معاشرے میں بھی خرید وفروخت کے معاہدے بیع نامہ کے نام سے ہی تحریر ہوتے ہیں۔

بیع کا معروف معنی ہے: بیچنا لیکن یہ خریدنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانۂ قدیم میں اشیا کا لین دین اشیا کے بدلے ہی ہوتا تھا یعنی بارٹر سسٹم رائج تھا، اس طریقہ میں ہر شخص گویا فروخت کنندہ بھی ہوتا تھا اور خریدار بھی، اس سے بیع کے لفظ میں دونوں معنی پیدا ہو گئے۔

علمائے شریعت کے نزدیک لین دین کے وہ تمام معاملات جو کسی معاوضہ کی اساس پر طے پاتے ہیں، بیع کہلاتے ہیں اس لیے بیع کا شرعی مفہوم یوں بیان کیا جاتا ہے:

والبيع نقل ملك إلى الغير بثمن (فتح الباری: ج۴ص۳۶۴)

''بیع کا معنی ہے قیمت کے عوض چیز کی ملکیت دوسرے کی طرف منتقل کرنا۔''

ملکیت کی منتقلی تو سودی معاملات میں بھی ہوتی ہے مگر ان کو بیع نہیں کہا جاتا۔ ایسے ہی

www.KitaboSunnat.com

قرض کا لین دین بھی بیع میں داخل نہیں کیونکہ قرض کا مقصد قرض لینے والے کے ساتھ احسان کرنا ہے نہ کہ قیمت وصول پانا۔ واضح رہے کہ بیع میں ملکیت کی منتقلی دائمی ہونی چاہیے۔

بیع اور تجارت کا باہمی فرق

بیع کے مقابلہ میں تجارت کا مفہوم قدرے محدود ہے۔ تجارت کا مطلب ہے Trade یعنی کوئی چیز اس غرض سے خریدنا تاکہ اسے بیچ کر نفع حاصل کیا جائے خواہ بعد میں نفع ہو یا نقصان، جبکہ بیع کا لفظ وسیع تر معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

خرید وفروخت کی دو قسمیں ایسی ہیں جو بیع تو ہیں مگر تجارت میں شامل نہیں:

① ذاتی استعمال کے لیے چیز خریدنا، یہ بیع تو ہے لیکن تجارت نہیں کیونکہ اس کا محرک نفع کا حصول نہیں بلکہ اپنی ضرورت ہے۔

② کسان کا اپنی فصل یا مینوفیکچرر کا اپنی مصنوعات بیچنا بیع تو ہے مگر تجارت نہیں کیونکہ یہ دونوں کسی سے چیز خرید کر نہیں بیچتے بلکہ خود پیدا یا تیار کرتے ہیں۔ تجارت تب ہی ہوگی جب چیز ایک سے خرید کر دوسرے کو بیچی جائے۔

بیع کی اقسام

مختلف اعتبار سے بیع کی مختلف قسمیں ہیں:

❁ جو چیز بطورِ قیمت دی جائے، اس کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں:

① چیز کا تبادلہ چیز کے ساتھ ہو، مثلاً گندم کے بدلے چاول یا زمین دے کر مکان لینا۔ اس کو بارٹر سیل (اَلْمُقَایَضَۃُ) کہتے ہیں۔

② روپے پیسے کے بدلے کوئی چیز خریدنا، یہ صورت بغیر کسی قید کے بیع مُطْلَق کہلاتی ہے کیونکہ عموماً خرید وفروخت اسی طرح ہوتی ہے۔

③ نقدی کے بدلے نقدی کا لین دین، اسکو بیع الصرف، منی چینجر کا کاروبار کہتے ہیں۔

④ ایک طرف کسی چیز کا حق استعمال یا کسی شخص کی محنت ہو خواہ وہ محنت جسمانی ہو یا ذہنی اور دوسری طرف اس کا معاوضہ تو اس کے لیے اِجَارَہ کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ جس کا معنی ہے: کرایہ داری اور محنت مزدوری کا معاملہ۔ اسکے احکام علیحدہ بیان کئے جائیں گے۔

www.KitaboSunnat.com

❁ قیمت کی ادائیگی کے اعتبار سے بھی بیع کی چار قسمیں ہیں:

① خریدی گئی چیز کی حوالگی اور قیمت کی ادائیگی دونوں نقد ہوں تو اس کو نقد خرید وفروخت ② اور اگر چیز کی سپردگی تو فوری ہو مگر قیمت کی ادائیگی مستقبل کی کسی تاریخ پر طے ہو تو اسے ادھار خرید وفروخت (بیع مُؤَجَّل) کا نام دیتے ہیں۔ ③ جب قیمت کی مکمل ادائیگی تو پیشگی کر دی جائے لیکن چیز کی حوالگی کے لیے مستقبل کی کوئی تاریخ مقرر ہو تو اس کو بیع سَلَم کہتے ہیں جو کچھ مخصوص شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ ④ اگر قیمت کی ادائیگی اور چیز کی سپردگی دونوں اُدھار ہوں تو اس کو حدیث میں بَيْعُ الْكَالِيْ بِالْكَالِيْ کہا گیا ہے جو کہ ناجائز ہے۔

فائدہ: بعض اوقات مشتری فوری ادائیگی کی بجائے یہ کہہ دیتا ہے کہ پیسے بعد میں دوں گا، بعد میں کب دوں گا، یہ طے نہیں ہوتا۔ یہ صورت اُدھار میں شامل نہیں بلکہ نقد کی ہی ایک شکل ہے جس میں فروخت کنندہ کچھ رعایت دے دیتا ہے۔ اس میں اور اُدھار میں فرق ہے، وہ یہ کہ ادھار میں مقررہ مدت سے قبل ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا جبکہ اس میں فروخت کنندہ جب چاہے تقاضا کر سکتا ہے، اگرچہ وہ اپنی مرضی سے جب تک چاہے تاخیر کرتا رہے لیکن اسے بیع کے فوری بعد مطالبے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔

❁ قیمت فروخت کے لحاظ سے بھی بیع کی مختلف قسمیں ہیں:

① **مُساوَمَة:** یہ خرید وفروخت کی ایک عام قسم ہے جس میں فروخت کنندہ اپنی قیمت خرید یا لاگت ظاہر کئے بغیر کسی بھی قیمت پر فروخت کرتا ہے۔ مساومہ کا معنی ہے: بھاؤ تاؤ۔ اس میں چونکہ فروخت کنندہ اور خریدار کے درمیان قیمت کا تعین بھاؤ تاؤ کے ذریعے ہوتا ہے اور فروخت کنندہ اپنی لاگت بتانے کا پابند نہیں ہوتا، اس لیے اسے 'مساومہ' کہتے ہیں۔ جہاں فروخت کنندہ ان اشیا کی لاگت کا صحیح اندازہ نہ لگا سکتا ہو جو وہ فروخت کرنا چاہتا ہو تو وہاں مساومہ ایک مثالی طریقہ ہوسکتا ہے۔

② **نیلام:** فروخت کنندہ یوں کہے جو مجھے زیادہ قیمت دے گا، میں یہ چیز اس کو بیچ دوں گا۔ یہ بھی اصل میں مساومہ کی ہی ایک قسم ہے جس میں فروخت کنندہ ایک متعین قیمت طلب کرنے کی بجائے خریداری کے خواہاں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ قیمت لگائیں اور جس

www.KitaboSunnat.com

کی بولی زیادہ ہوگی اس کے ساتھ بیع منعقد ہو جائے گی۔

اس کے مقابلے میں ٹینڈر (مُناقَصَة) پر خریداری ہے جس میں خریدار یہ کہتا ہے کہ مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے جو کم قیمت پر مہیا کرے گا، میں اس سے لوں گا۔ یہ جدید صورت ہے جس کا قدیم فقہی ذخیرہ میں تذکرہ نہیں ملتا، تاہم اس کا بھی وہی حکم ہے جو نیلام کا ہے۔

③ **مُرابَحة:** مرابحہ سے مراد ہے کہ فروخت کنندہ کوئی چیز اس وضاحت کے ساتھ بیچے کہ اس پر میری یہ لاگت آئی ہے اور اب میں اتنے منافع کے ساتھ فلاں قیمت پر آپ کو بیچتا ہوں۔ مرابحہ کا معنی ہے: 'نفع پر بیچنا' مرابحہ میں قیمت نقد بھی ہوسکتی ہے اور اُدھار بھی۔ فروخت کنندہ کی جانب سے مشتری کو اپنی لاگت اور اس میں شامل منافع سے آگاہ کرنا ہی وہ نکتہ ہے جو مرابحہ کو مساومہ سے الگ کرتا ہے۔

④ **تَوْلِیَة:** جب فروخت کنندہ کوئی چیز نفع ونقصان کے بغیر لاگت قیمت پر ہی فروخت کرے تو اس کو بیع تَوْلِیَہ کہتے ہیں۔ تولیہ کا لغوی معنی ہے: والی بنانا، فروخت کنندہ چونکہ نفع حاصل کئے بغیر ہی خریدار کو چیز کا مالک بنا دیتا ہے، اسلئے اس کو تولیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

⑤ **وَضِیعة:** وضعیہ کا معنی ہے قیمتِ خرید سے کم پر بیچنا، یعنی خسارے کا سودا۔

آخری تین قسموں میں چونکہ فروخت کنندہ اپنی قیمتِ خرید یا لاگت بتا کر سودا کرتا ہے اور خریدار اس پر اعتماد کرتا ہے، اس لیے ان کو بُیُوْعُ الْاَمانَةِ امانت داری پر مبنی بیوع کا نام دیا جاتا ہے۔

خرید وفروخت کی اجازت کا فلسفہ

یہ بات مسلم ہے کہ خرید وفروخت ہمیشہ سے انسانی زندگی کا لازمی حصہ رہا ہے، اس لیے کہ یہ انسان کی فطری ضرورت ہے جس کے بغیر اس کی ضروریات پوری نہیں ہوسکتیں کیونکہ دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی لحاظ سے دوسروں کا دست نگر ہے، یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے استعمال کی تمام اشیا خود ہی پیدا یا تیار کرلے۔ مثلاً ایک شخص کسان ہے جو اپنی غذائی ضروریات پوری کرنے کے لیے خود ہی کھیتی باڑی کرتا ہے مگر زرعی آلات، لباس اور رہائش کے سلسلے میں وہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: الإنسان مدني بالطبع انسان اپنی حاجات و

www.KitaboSunnat.com

ضروریات کے لیے ہر آن دوسروں کا محتاج ہے۔ جب ہر شخص کی ضرورتیں دوسروں کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں تو پھر خرید وفروخت کے معاملات ناگزیر ہیں۔

اگر خرید وفروخت کا سلسلہ نہ ہوتا تو نظامِ حیات درہم برہم ہوجاتا، انسانیت اضطراب اور بے چینی میں مبتلا ہوجاتی اور انسان ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لیے یا تو چوری اور لوٹ مار کا سہارا لیتا جس سے نہ صرف لوگوں کے اَموال خطرات میں پڑ جاتے بلکہ خونریزی کا بازار بھی گرم ہوتا یا دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور ہوتا جو کہ باعثِ ذلت ہے اور بسا اوقات مالک معاوضہ کے بغیر دینے پر آمادہ بھی نہیں ہوتا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر یہ خاص لطف وکرم فرمایا کہ اُنہیں اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے نہ صرف خرید وفروخت کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ اس کے متعلق احکام و ہدایات دے کر ثواب اور اپنے قرب کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

تجارت کی فضیلت

ایک دوسرے کے ساتھ اشیا کا تبادلہ چونکہ انسانی معاشرہ کی بنیادی ضرورت ہے، اس لیے قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبویؐ میں بڑے شوق آفرین انداز میں خرید وفروخت کے ذریعے کسب مال کی ترغیب دی گئی ہے۔ قرآنِ حکیم نے متعدد مقامات پر تجارت کے ذریعے حاصل ہونے والے فوائد کو اللہ کا فضل قرار دیا ہے۔ حج کے معاشی اور تجارتی پہلو کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَإِذَا اَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدٰكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ﴾ (البقرۃ:۱۹۸)

''تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم (تجارت کے ذریعے) اپنے ربّ کا فضل تلاش کرو۔ پھر جب تم عرفات سے واپس آؤ تو مشعرحرام (مزدلفہ میں ایک پہاڑی) کے پاس اللہ کو یاد کرو۔ اور اس کو اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت کی ہے بلاشبہ اس سے پہلے تم ناواقف تھے۔''

حج کے دنوں میں جب سارے عرب سے لوگ مکہ مکرمہ میں حاضر ہوتے تو بازار مالِ تجارت سے بھر جاتے اور خرید وفروخت کا تانتا بندھا رہتا جیسا کہ آج کل بھی ہوتا ہے۔ بعض

www.KitaboSunnat.com

مسلمان احتیاط کے پیش نظر دورانِ حج تجارت سے اجتناب کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ ربّ کے فضل سے مراد یہاں تجارت اور کاروبار ہے یعنی دورانِ حج مالی، تجارتی اور معاشی فوائد حاصل کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ کا فضل تلاش کرنے کے مترادف ہے بشرطیکہ حج کے مناسک متاثر نہ ہوں۔

ایک اور جگہ نمازِ جمعہ کے بعد تجارت کرنے کی ہدایت دی گئی ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (الجمعہ:۱۰)

''پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔''

یہاں بھی 'اللہ کا فضل تلاش کرو' سے مراد کسبِ مال ہے جس میں خرید وفروخت بھی شامل ہے۔ گویا تجارت محض دنیاوی کام نہیں جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ اللہ کا فضل تلاش کرنے کے مترادف ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر کاروبار میں اسلامی احکام کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ کاروبار بھی اللہ کے قرب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآنِ حکیم میں دوسرے مقامات پر بھی تجارت اور مال کو اللہ کے فضل سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سید الانبیا ﷺ نے بعثت سے قبل خود بھی تجارت کی اور صحابہ کو بھی اس کی ترغیب دیتے، چنانچہ اکثر و بیشتر صحابہ کرام تجارت ہی کرتے تھے۔احادیثِ نبویؐ میں تجارت کو بہت معزز پیشہ قرار دیا گیا اور دیانت دار تاجر کا بڑا مرتبہ تسلیم کیا گیا ہے۔ایک حدیث میں سرورِ کائنات ﷺ نے سچے اور دیانتدار تاجر کو جنت میں انبیا، صدیقین اور شہدا کی رفاقت کی بشارت سنائی ہے:

«التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ»

''راست باز اور امانت دار تاجر انبیا، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔''

(سنن ترمذی:۱۲۰۹، باب ما جاء في التجار وقال: ھٰذا حدیث حسن)

ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کسبِ معاش کا بہترین اور باعث برکت ذریعہ کونسا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ» (مسند احمد:۱۷۷۲۸)

www.KitaboSunnat.com

''انسان کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر بیع مبرور۔''

یعنی بہترین پیشہ وہ ہے جس میں انسان کو اپنے ہاتھ سے محنت کرنا پڑے یا پھر ایسی تجارت جس میں امانت ودیانت کی روح کارفرما ہو۔ ثابت ہوا کہ تجارت بابرکت ذریعہ معاش ہے، تاہم اس میں دنیا ہی مدنظر نہیں ہونی چاہیے بلکہ آخرت کی فلاح بھی مطلوب ہے اس لیے یہ شریعت کے تابع ہونی چاہیے۔ جو خرید وفروخت شریعت کی طرف سے عائد کردہ پابندیوں کو ملحوظ رکھ کر کی جائے، اس کو 'بیع مبرور' کہتے ہیں۔ یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام ہماری معاشی سرگرمیوں کو ایک نظم ونسق کے تحت دیکھنا چاہتا ہے۔

خرید وفروخت کے متعلق بنیادی ہدایات

خرید وفروخت کا جو معاملہ بھی ہو، اس میں تین چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں:

① معاملہ کرنے والے فریقین

② وہ چیز جس کا سودا کیا جارہا ہو

③ چیز کی قیمت

شریعتِ مطہرہ نے ہر ایک کے لیے الگ الگ ہدایات دی ہیں:

فریقین کے لیے ہدایات

① معاملہ باہمی رضامندی سے طے پانا چاہیے

بیع کی شرطِ اوّل یہ ہے کہ فریقین کا نہ صرف ذہنی توازن درست ہو اور وہ معاملات کی سوجھ بوجھ رکھتے ہوں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سودے پر یکساں طور پر رضامند ہوں۔ چنانچہ لین دین کے وہ تمام معاملات جن میں فریقین کی حقیقی رضامندی یکساں طور پر نہ پائی جاتی ہو ناجائز ہیں۔ اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾

(النساء:۲۹)

''اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی

www.KitaboSunnat.com

رضامندی سے۔اور اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو بلاشبہ اللہ تمہارے ساتھ رحم کرنے والا ہے۔''

سورہ نساء کی یہ آیت تجارتی اور معاشی تعلقات کے متعلق بنیادی اُصول پیش کر رہی ہے کہ وہ کاروباری اور تجارتی معاملات جن پر دونوں فریق یکساں مطمئن اور راضی نہ ہوں، باطل ہیں۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ لین دین میں فریقین کی باہمی رضامندی لازم ہے۔ شریعتِ اسلامیہ اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ کوئی کسی کو اپنی چیز بیچنے پر مجبور کرے یا زبردستی اپنی پسند کی قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کرے۔اسلام نے ایک دوسرے کی جان، مال اور عزت کو یکساں محترم قرار دیا ہے۔

آنحضور ﷺ نے لاٹھی جیسی معمولی چیز کی زبردستی خرید وفروخت کو بھی قابل حرمت قرار دیا ہے، آپ ﷺ کا اِرشاد ہے:

''کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کی لاٹھی (بھی) اس کی قلبی خوشی کے بغیر لے۔'' (بلوغ المرام بحوالہ ابن حبان والحاکم)

بطورِ خاص خرید وفروخت کے متعلق آپ ﷺ کا صریح فرمان ہے:

«إنما البيع عن تراض» (إرواء الغليل: ج۵/ص۱۲۵)

''بیع صرف باہمی رضامندی سے ہوتی ہے۔''

واضح رہے کہ یہ رضا مندی حقیقی ہونی چاہیے نہ کہ مصنوعی۔لہٰذا کسی دباؤ کے تحت یا غلط تاثر کی بنیاد پر یا دوسرے فریق کو چیز کی حقیقت سے بے خبر یا اصل قیمت سے دھوکے میں رکھ کر حاصل کی گئی رضامندی قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہ مصنوعی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے شریعت نے اس قسم کی دھوکہ دہی کی صورت میں متاثرہ فریق کو معاملہ منسوخ کرنے کا اختیار دیا ہے۔

اسی طرح ایک شخص اگر انتہائی بے بسی اور مجبوری کی بنا پر اپنی چیز بیچ رہا ہو تو ایسے شخص سے مارکیٹ ریٹ سے بہت کم پر خریدنا، اگرچہ بظاہر وہ اس پر راضی بھی ہو ناجائز ہے، درست نہیں۔معمولی کمی بیشی کی تو گنجائش ہے لیکن بہت زیادہ فرق درست نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے قلبی خوشی کی تاکید فرمائی ہے اور یہ بات طے ہے کہ مجبور شخص خوش دلی سے غیر معمولی کم ریٹ پر بیچنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں مجبور شخص سے سستے داموں خریدنے کو ترجیح دی

www.KitaboSunnat.com

جاتی ہے، یہ ناپسندیدہ رویہ ہے جس کی اصلاح ہونی چاہیے۔

▣ البتہ بعض صورتوں میں حکومت یا کوئی مجاز اتھارٹی مالک کو اس بات پر مجبور کرسکتی ہے کہ وہ اپنی چیز فروخت کرے:

- پہلی صورت یہ ہے کہ مقروض اپنے ذمے قرض ادا نہ کر رہا ہو اور اس کے پاس نقد رقم بھی موجود نہ ہو تو عدالت اس کو اپنی جائیداد فروخت کر کے قرض ادا کرنے کا حکم دے سکتی ہے۔ اگر وہ عدالتی حکم کے باوجود لیت ولعل سے کام لے تو عدالت قرض خواہ کی دادرسی کے لیے خود بھی اس کی جائیداد مارکیٹ ریٹ پر فروخت کرسکتی ہے۔
- دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے جائیداد رہن رکھ کر قرض لے رکھا ہو اور وہ متعدد مرتبہ کی یاد دہانی کے باوجود ادائیگی نہ کر رہا ہو تو قرض خواہ رہن شدہ جائیداد فروخت کر کے اپنا حق وصول پا سکتا ہے، چاہے مقروض اس پر راضی نہ بھی ہو بشرطیکہ عدالت اور قرض خواہ منصفانہ قیمت پر بیچنے کو یقینی بنائیں، اپنی رقم کھری کرنے کے لالچ میں کوڑیوں کے بھاؤ بیچنے کی اجازت نہیں ہے۔
- تیسری صورت جب مالک کو اپنی اشیا فروخت کرنے پر مجبور کیا سکتا ہے، یہ ہے کہ جب غذائی اشیا کی قلت ہو اور کچھ لوگ ذخیرہ اندوزی کر رہے ہوں تو حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ تاجروں کو ذخیرہ کی گئی اشیا فروخت کرنے کا حکم دے، اگر وہ تعمیل نہ کریں تو حکومت ان کی مرضی کے خلاف خود بھی مارکیٹ ریٹ پر فروخت کرسکتی ہے، جیسا کہ الموسوعة الفقهية میں ہے:

إذا خيف الضّرر على العامّة أجبر بل أخذ منه ما احتكره وباعه وأعطاه المثل عند وجوده أو قيمته وهذا قدر متّفق عليه بين الأئمّة ولا يعلم خلاف في ذلك (ج۲ر ص۹۵)

''جب عوام کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو حاکم ذخیرہ اندوز کو مجبور کرے گا بلکہ اس سے ذخیرہ شدہ مال لے کر فروخت کر دے گا اور اس کو اس مال کا مثل جب موجود ہو یا اس کی قیمت دے گا۔ اتنی بات تمام ائمہ میں متفق علیہ ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

www.KitaboSunnat.com

کسی کی چیز زبردستی لینے کی چوتھی صورت یہ ہے کہ حکومت کو عوامی مقاصد کے لیے کسی جگہ کی حقیقی ضرورت ہو اور مالکان بیچنے پر آمادہ نہ ہوں تو حکومت وہ جگہ زبردستی بھی حاصل کر سکتی ہے، تاہم حکومت پر فرض ہوگا کہ مالکان کو مارکیٹ ریٹ کے حساب سے ادائیگی کرے۔ حکومت بازاری قیمت ادا کئے بغیر کسی شہری کو جائیداد سے محروم نہیں کرسکتی۔

② خریدنے سے پہلے بیچنا ممنوع ہے!

نبی ﷺ نے یہ تلقین بھی فرمائی ہے کہ بیچنے والا فقط اسی چیز کا سودا کرے جس کا وہ کلی طور پر مالک بن چکا ہو۔ بعض دفعہ کاروباری حضرات کے پاس چیز موجود نہیں ہوتی مگر وہ اس اُمید پر سودا طے کر لیتے ہیں کہ بعد میں کہیں سے خرید کر فراہم کر دینگے، ایسا کرنا منع ہے، کیونکہ ممکن ہے مالک وہ چیز بیچنے پر آمادہ ہی نہ ہو یا وہ اس کی قیمت فروخت سے دگنی قیمت طلب کر لے اور یہ نقصان سے بچنے کے لیے خود ہی خریدنے پر تیار نہ ہو۔ اس طرح فریقین کے مابین تنازعات جنم لینے کا اندیشہ ہے، لہٰذا شریعتِ اسلامیہ نے ان کے سد باب کے لیے یہ اُصول بنا دیا ہے کہ وہ متعین چیز جو فی الحال فروخت کنندہ کی ملکیت میں نہ ہو، اس کا سودا نہ کیا جائے، جیسا کہ جناب حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

''میرے پاس ایک آدمی آتا ہے اور وہ مجھ سے ایسی چیز کا سودا کرنا چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی۔ کیا میں اس سے سودا کرلوں پھر وہ چیز بازار سے خرید کر اسے دے دوں۔''

آپ ﷺ نے جواباً فرمایا:

«لَا تَبِعْ ما لَيْسَ عِنْدَكَ» (سنن النسائي:۴۶۱۷ باب بيع ما ليس عند البائع)

''جو (متعین) چیز تیرے پاس موجود نہیں، وہ فروخت نہ کر۔''

حضرت حکیم بن حزامؓ کا سوال متعین چیز کی فروخت کے متعلق ہی تھا۔ متعین کا معنی ہے کسی مخصوص پلاٹ یا گاڑی وغیرہ کا سودا کرنا مثلاً یوں کہنا کہ میں فلاں سکیم کا فلاں نمبر پلاٹ آپ کو اتنے میں بیچتا ہوں جبکہ وہ اس وقت اس کی ملکیت نہ ہو، ایسا کرنا ناجائز ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے جواب سے واضح ہے۔ لیکن اگر تعین کی بجائے صرف مخصوص صفات بیان کی جائیں، مثلاً یوں کہا جائے کہ میں تمہیں اتنی مدت بعد ان صفات کی حامل فلاں چیز مہیا

www.KitaboSunnat.com

کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں تو یہ صورت جائز ہے بشرط کہ مکمل قیمت پیشگی ادا کر دی جائے، اس کو بیع سَلَم کہتے ہیں۔ مکمل قیمت کی پیشگی ادائیگی لازمی شرط ہے، اس کے بغیر یہ جائز نہیں ہوسکتی۔

③ ملکیت سے قبل فروخت کی بعض صورتیں

- بعض ہاؤسنگ اسکیمیں اپنی ملکیّتی زمین سے زیادہ تعداد میں پلاٹس کی فائلیں فروخت کر دیتی ہیں مثلاً ابھی تک اسکیم کے پاس زمین صرف ایک ہزار پلاٹس موجود ہیں لیکن فائلیں دو ہزار پلاٹس کی بیچ دی جاتی ہیں اور ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ بقیہ زمین بعد میں خرید لی جائے گی۔ اس طرح اسکیم مالکان کو کچھ مدت کے لیے لوگوں کی دولت سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل جاتا ہے اور یہی جلبِ منفعت ان کا مطمح نظر ہوتا ہے۔ یہ طریقہ سراسر خلافِ شریعت ہے کیونکہ اسکیم نے ایک ہزار پلاٹس کی جو زائد فائلیں فروخت کی ہیں، اُن کی زمین ابھی اس کی ملکیت میں نہیں آئی، لہٰذا اسکیم مالکان کو ان کی فروخت کا حق بھی نہیں پہنچتا۔

- ہمارے ہاں جائیداد کی خرید وفروخت کے مروّجہ طریقہ کار کے مطابق خریدار معاہدہ خرید کر کے کچھ رقم (بیعانہ) اَدا کر دیتا ہے اور بقیہ ادائیگی کے لیے مہلت لے لیتا ہے اور معاہدے میں یہ شرائط بھی طے ہوتی ہیں کہ اگر خریدار منحرف ہو گیا تو بیعانہ کی رقم ضبط ہو جائے گی اور اگر فروخت کنندہ اپنی بات پر قائم نہ رہا تو اس سے بیعانہ کی رقم دگنی وصول کی جائے گی۔ اور یہ بات بھی معاہدے کا حصہ ہوتی ہے کہ معاہدۂ بیعانہ کرنے والا اس معاہدے کی بنیاد پر کسی تیسرے فریق کو فروخت کرنا چاہے تو مالک کو کوئی اعتراض نہ ہوگا، بیعانہ دینے والا جس خریدار کا نام پیش کرے گا، مالک اس کے نام ملکیت منتقل کرنے کا پابند ہوگا۔ بسا اوقات بیعانہ دینے والا کچھ منافع لے کر آگے فروخت بھی کر دیتا ہے۔ شرعی لحاظ سے اس طرح آگے فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ معاہدہ بیعانہ کرنے والا جائیداد مذکور کا ابھی مالک نہیں بنا۔ اگر اصل مالک دگنا بیعانہ ادا کر کے منحرف ہو جائے جیسا کہ بعض اوقات ہوجاتا ہے تو ایسی صورت میں نزاع پیدا ہوگا۔ ہاں اگر پراپرٹی مالک کے

www.KitaboSunnat.com

پاس منحرف ہونے کا اختیار نہ ہو یا سودا مکمل ہو چکا ہو، صرف بقیہ رقم کی ادائیگی باقی ہو تو پھر آگے فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مالک کے انکار کی صورت میں اس سے دگنا بیعانہ وصول کرنا شرعی لحاظ سے درست نہیں ہے۔

✍ ملکیت کے بغیر فروخت کی تیسری صورت سٹاک مارکیٹ میں رائج Shot Sales کی ہے۔ اس میں فروخت کنندہ ایسے شیئرز بیچ دیتا ہے جو اس کی ملکیت میں نہیں ہوتے لیکن اسے یہ اُمید ہوتی ہے کہ وہ کلیئرنگ سے قبل مارکیٹ سے سستے داموں حاصل کر کے خریدار کے حوالے کر دے گا، یہ غیر ملکیتی شیئرز کی بیع ہے جو ناجائز ہے۔ اگر مارکیٹ میں مندے کی بجائے تیزی غالب رہے تو Shot Sales کرنے والوں کو اچھا خاصا نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ جب بھی سٹاک مارکیٹ کسی بڑے بحران سے دوچار ہوتی ہے، اس میں نمایاں کردار اسی شاٹ سیل کا ہوتا ہے۔

④ قبضہ سے قبل فروخت نہ کریں

عصر حاضر میں خریدی گئی چیز کو قبضہ میں لئے بغیر آگے فروخت کرنے کا عام رواج ہے بالخصوص درآمدات میں سامان منزلِ مقصود پر پہنچنے سے قبل کئی جگہ فروخت ہو چکا ہوتا ہے اور ظاہر ہے، ہر خریدار کچھ منافع رکھ کر ہی آگے فروخت کرے گا، اس لیے مارکیٹ پہنچتے پہنچتے اس چیز کی قیمت بڑھ کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک معاشی نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ بار برداری کے شعبہ سے وابستہ مزدوروں کا روزگار متاثر ہوتا ہے۔ یہ شریعتِ مطہرہ کے محاسن میں سے ہے کہ اس نے یہ قانون بنا دیا ہے جب کسی چیز کا سودا طے پا جائے اور خریدار اس کو آگے فروخت کرنا چاہتا ہو تو اس کو چاہیے وہ اسے قبضہ میں لے کر کسی دوسری جگہ منتقل کر دے، اسی جگہ فروخت کرنا منع ہے۔

✍ چنانچہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ»

(صحیح بخاری:۲۱۳۶، کتاب البیوع باب بیع الطعام قبل أن یقبض)

www.KitaboSunnat.com

''جو غلہ خریدے، وہ قبضہ سے قبل فروخت نہ کرے۔''

جناب عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

كُنَّا فِي زَمَانِ رَسُولِ اللهِ ﷺ نَبْتَاعُ الطَّعَامَ فَيَبْعَثُ عَلَيْنَا مَنْ يَأْمُرُنَا بِانْتِقَالِهِ مِنَ الْمَكَانِ الَّذِي ابْتَعْنَاهُ فِيهِ إِلَى مَكَانٍ سِوَاهُ قَبْلَ أَنْ نَبِيعَهُ

(صحیح مسلم:۳۸۴۱،کتاب البیوع، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض)

''ہم رسول اللہ ﷺ کے دور میں غلہ خریدتے تو آپ ہمارے پاس ایک شخص کو بھیجتے جو ہمیں حکم دیتا کہ ہم بیچنے سے قبل جہاں سے خریدا ہے، وہاں سے اُٹھا کر دوسری جگہ لے جائیں۔''

سیدنا زید بن ثابتؓ سے روایت ہے:

نَهٰى أَنْ تُبَاعَ السِّلَعُ حَيْثُ تُبْتَاعُ حَتَّى يَحُوزَهَا التُّجَّارُ إِلَى رِحَالِهِمْ

(سنن ابوداود:۳۴۹۹،باب في بیع الطعام قبل أن یستوفي)

''رسول اللہ ﷺ نے اِس سے منع فرمایا کہ سامان کو وہاں بیچا جائے جہاں سے خریدا گیا تھا حتیٰ کہ تاجر اسے اپنے مقامات پر منتقل کرلیں۔''

جو تاجر اس حکم کی تعمیل نہ کریں ان کے خلاف تادیبی کارروائی بھی کی جاسکتی ہے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ الطَّعَامَ مُجَازَفَةً يُضْرَبُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ أَنْ يَبِيعُوهُ حَتَّى يُئْوُوهُ إِلَى رِحَالِهِم (صحیح بخاری:۱۲۳۱،باب ما یذکر في بیع الطعام)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تخمینے سے اناج خریدنے والوں کی پٹائی ہوتی دیکھی یہاں تک کہ وہ اس کو اُٹھا کر اپنے ٹھکانوں میں منتقل کردیں پھر فروخت کریں۔''

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں ثابت ہوا کہ تاجروں کے لیے یہ جائز نہیں کہ منقولی اشیا اپنی تحویل میں لے کر دوسری جگہ منتقل کئے بغیر فروخت کریں۔ امام بخاریؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ چیز اُٹھائے بغیر شرعی قبضہ ثابت نہیں ہوتا، چنانچہ شارح بخاری علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وَيُعْرَفُ مِنْ ذٰلِكَ أَنَّ اِخْتِيَار اَلْبُخَارِيّ أَنَّ اِسْتِيفَاءَ اَلْمَبِيع اَلْمَنْقُول مِنْ اَلْبَائِعِ وَتَبْقِيَتَهُ فِي مَنْزِلِ اَلْبَائِعِ لَا يَكُونُ قَبْضًا شَرْعِيًّا حَتَّى يَنْقُلَهُ اَلْمُشْتَرِي إِلَى مَكَانٍ لَا اِخْتِصَاصَ لِلْبَائِعِ بِهِ (فتح الباری: ج۴ص۴۴۳)

www.KitaboSunnat.com

''اس سے پتا چلتا ہے کہ امام بخاریؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ منقولی چیز کو فروخت کنندہ سے وصول پانا اور اسے فروخت کنندہ کے ٹھکانے پر ہی رکھ چھوڑنا شرعی قبضہ نہیں ہے تا آنکہ خریدار اسے ایسی جگہ لے جائے جو فروخت کنندہ کے لیے مخصوص نہ ہو۔''

ممانعت کا سبب کیا ہے؟ نامور تابعی حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے قبضہ سے قبل فروخت کرنے کی ممانعت کا سبب پوچھا تو انہوں فرمایا:

ذَاكَ دَرَاهِمُ بِدَرَاهِمَ وَالطَّعَامُ مُرْجَأٌ (صحیح بخاری:۱۲۳۲باب ما یذکر في بیع الطعام)

''یہ درہم کے بدلے درہم کا لین دین ہے جبکہ غلہ وہیں پڑا ہوا ہے۔''

یعنی سودی لین دین کے مشابہ ہونے کی بنا پر ناجائز ہے، اس کی توضیح یوں ہے مثلاً خالد نے ایک لاکھ کی گندم خریدی اور وہاں سے منتقل کئے بغیر ایک لاکھ دس ہزار میں فروخت کر دی تو گویا اس نے رقم دی اور رقم ہی لی اور اس پر نفع کمایا، عملی طور پر کوئی خدمت انجام نہیں دی۔

امام شوکانیؒ نے بھی اسی علت کی تحسین فرمائی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وَهٰذَا التَّعْلِيلُ أَجْوَدُ مَا عُلِّلَ بِهِ النَّهْيُ؛ لِأَنَّ الصَّحَابَةَ أَعْرَفُ بِمَقَاصِدِ الرَّسُولِ ﷺ (نیل الاوطار: باب نهي المشتري عن بيع ما اشتراه قبل قبضه)

''ممانعت کی باقی وجوہ کی نسبت یہ وجہ بہترین ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ نبی ﷺ کے مقاصد کو بہتر جانتے ہیں۔''

امام ابن قیمؒ ممانعت کی وجوہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ نہ تو قبضہ مکمل ہوا ہے اور نہ ہی فروخت کنندہ سے اس کا تعلق ختم ہوا ہے، لہٰذا جب وہ دیکھے گا کہ خریدار کو اس سے خوب نفع حاصل ہو رہا ہے تو وہ معاملہ فسخ کرنے اور قبضہ نہ دینے کا سوچ سکتا ہے۔ ہوسکتا ہے فسخ کے لیے بات ظالمانہ حیلے، جھگڑے اور عداوت تک جا پہنچے جیسا کہ واقعات اس کے شاہد ہیں۔ چنانچہ حکمت پر مبنی شریعت کاملہ کی یہ خوبی ہے کہ اس نے خریدار پر یہ پابندی لگا دی ہے کہ جب تک خریدی گئی چیز پر قبضہ مکمل نہ ہو جائے اور فروخت کنندہ سے اس کا تعلق ختم نہ ہو اور اس سے چھڑا نہ لی جائے وہ اس میں تصرف نہ کرے تاکہ وہ بیع فسخ کرنے اور قبضہ نہ دینے کا سوچ نہ سکے۔ یہ وہ فوائد ہیں جن کو شارع نے نظر انداز نہیں کیا، حتیٰ کہ وہ تاجر بھی اُنہیں مدنظر رکھتے ہیں جن کو شریعت کا علم

www.KitaboSunnat.com

نہیں کیونکہ ان کے خیال میں مصلحت بھی اسی میں ہے اور خرابیوں کا سدِ باب بھی اسی طرح ہو سکتا ہے۔'' (تہذیب: ج ۵/ص ۱۳۷)

اس کا مطلب یہی ہے کہ جب تک خریدار فروخت کنندہ کے قبضہ سے مال چھڑا کر اپنے قبضہ میں نہیں لے لیتا، آگے فروخت نہ کرے تاکہ نزاع کا خطرہ نہ رہے۔ کیونکہ جب تک خریدار چیز اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، اس بات کا اندیشہ باقی رہتا ہے کہ فروخت کنندہ زیادہ نفع کے لالچ میں وہی چیز کسی اور کو فروخت نہ کردے۔

بعض اہل علم کے نزدیک جب بیچی گئی چیز کے نقصان کی ذمہ داری خریدار کی طرف منتقل ہوجائے اور اس کے اختیار پر کوئی قدغن باقی نہ رہے تو قبضہ متحقق ہو جاتا ہے، حقیقی طور پر چیز کو منتقل کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

لاَ يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ وَلاَ شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ وَلاَ رِبْحُ مَا لَمْ يُضْمَنْ وَلاَ بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ (سنن ترمذی: ۱۲۳۴، باب ما جاء في كراهية بيع ما ليس عندك)

''قرض اور بیع، ایک بیع میں دو شرطیں اور جس چیز کے نقصان کی ذمہ داری نہ لی گئی ہو، اس کا منافع جائز نہیں اور نہ ہی اس چیز کی بیع درست ہے جو تیرے پاس موجود نہ ہو۔''

ان حضرات کی دلیل حدیث کے یہ الفاظ ہیں:

''جس چیز کے نقصان کی ذمہ داری نہ لی گئی ہو، اس کا منافع جائز نہیں۔''

ان حضرات کے بقول یہاں قبضہ سے قبل فروخت ممنوع ہونے کی وجہ رسک نہ لینا بیان ہوئی ہے، لہٰذا جب مال کے نقصان کی ذمہ داری خریدار کی طرف منتقل ہو جائے تو وہ آگے فروخت کرسکتا ہے، دوسری جگہ منتقل کرنا ضروری نہیں۔ مگر دو وجہ سے یہ استدلال درست نہیں ہے:

① یہ اوپر مذکوران احادیث کے خلاف ہے جو اس امر پر صریح دلالت کررہی ہیں کہ فروخت سے قبل نقل وحمل لازمی ہے۔

② یہ استدلال فرمانِ رسول ﷺ کی حکمت کے خلاف ہے۔ چنانچہ امام ابن قیمؒ اس کی تشریح میں رقم طراز ہیں:

''اس کی علت (کے تعین) نے بعض فقہا کو مشکل میں ڈال دیا ہے، حالانکہ یہ شریعت کے محاسن میں سے ہے کہ جب پوری طرح قبضہ نہیں ہوگا اور فروخت کنندہ کا اس سے تعلق ختم

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوگا تو وہ مشتری کو فائدہ ہوتا دیکھ کر معاملہ منسوخ کرنے اور قبضہ نہ دینے کا لالچ کرے گا۔ اور اگر قبضہ دے گا بھی تو آنکھیں بند کر کے اور نفع سے محرومی کا افسوس لئے ہوئے دے گا، چنانچہ اس کا نفس ادھر ہی متوجہ رہے گا، اس کا طمع ختم نہیں ہوگا۔ یہ مشاہدے سے ثابت ہے، لہٰذا یہ شریعت کا کمال اور خوبی ہے کہ جب تک چیز کو حاصل نہ کر لے اور اس کی ذمہ داری میں نہ آجائے، نفع ممنوع ہے تاکہ فروخت کنندہ منسوخ کرنے سے مایوس ہو جائے اور اس کا تعلق ختم ہو جائے۔'' (تہذیب: ج۵ص۱۵۳،۱۵۴)

اس سے ثابت ہوا کہ اگر مشتری نقصان کی ذمہ داری لے بھی لیتا ہے لیکن اپنے قبضہ میں نہیں لیتا تو بھی اسی جگہ فروخت نہیں کر سکتا کیونکہ یہ بات فرمانِ رسول ﷺ کی حکمت کے خلاف ہے۔

کیا یہ حکم صرف خوردنی اشیاء کے لیے ہے: فروخت سے قبل خریدی گئی چیز کی نقل وحمل کا حکم صرف غذائی اجناس کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس میں وہ تمام اشیا داخل ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوسکتی ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

وَلا اَحْسِبُ كُلَّ شَيْءٍ إلّا مِثْلَه

(صحیح بخاری:۲۱۳۵، باب بیع الطعام قبل أن یقبض)

''میرے خیال میں تمام اشیاء کا یہی حکم ہے۔''

امام ابن قیمؒ اس کے بارے میں رقمطراز ہیں:

وهذا القول هو الصحيح الذي نختاره (تہذیب ج۵ص۱۳۲)

''یہی قول صحیح ہے جس کو ہم پسند کرتے ہیں۔''

اس کی تائید اوپر مذکورہ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں غلے کی بجائے سامان کا تذکرہ ہے۔ البتہ وہ اشیا جن کو دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن نہیں جیسے اراضی اور مکانات ہیں، ان کے قبضے کی نوعیت مختلف ہوگی۔ ان میں قبضہ کا معنی صرف اتنا ہے کہ فروخت کنندہ تمام رکاوٹیں دور کر کے مشتری کو تصرف کا پورا موقع فراہم کر دے۔ اسی طرح جو اشیا ہاتھ میں لے کر قبضہ کی جاتی ہیں جیسے کرنسی نوٹ ہیں تو ان کا قبضہ یہ ہے کہ ان کو ہاتھ میں لے لیا جائے۔ (جاری ہے)

www.KitaboSunnat.com

معیشت واقتصاد

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین☆

'اسلامی بنکاری' کی شرعی حیثیت

اسلام اور مغرب کے اَساسی تصورات کے تناظر میں

آج کل ملک کے دینی حلقوں میں مزعومہ 'اسلامی بنکاری' پر بحث جاری ہے کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے اور اسلامی حوالے سے یہ بنکاری درست ہے یا نہیں؟ اس ضمن میں سب سے پہلے تو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ 'اسلامی بنکاری' ہے کیا؟ کہ اس کے بعد ہی اس کی شرعی حیثیت کا تعین کیا جا سکے گا۔

مغرب کی تہذیب آج کل دنیا میں غالب ہے۔ مغرب کا معاشی نظام، جو بنیادی طور پر سود پر مبنی ہے، نظامِ سرمایہ داری (Capitalism) کہلاتا ہے۔ بجلی سے چلنے والی مشینوں کی ایجاد، وسیع پیمانے پر اشیائے تجارت کی پیداوار، ذرائع نقل وحمل اور رابطوں کی تیز رفتاری نے مغرب میں صنعتکاری یا انڈسٹریلائیزیشن (Industrialization) کو جنم دیا جس سے تجارتی سرگرمیوں میں تیزی آئی، تو لوگوں کی بچتوں کو ایک جگہ جمع کرنے، اس جمع شدہ رقم کو کاروبار میں لگانے کے لئے بطورِ قرض مہیا کرنے، خرید وفروخت میں بڑی رقوم کی ادائیگی کرنے، رقم کو ایک سے دوسری جگہ منتقل کرنے..... جیسے کاموں کے لئے بنک وجود میں آئے جن کے یورپ میں بانی اور کرتا دھرتا یہودی تھے جو صدیوں سے اپنے سرمائے کو سود پر دینے کا کاروبار کر رہے تھے۔ اُنہوں نے ہی اپنے کام کو مزید وسعت دے کر بنک قائم کر لئے۔

بیسویں صدی کے وسط میں جب مغربی استعمار کو مجبوراً کچھ مسلم ممالک کو آزادی دینا پڑی اور کچھ آزاد (؟) مسلم ممالک وجود میں آئے تو مسلمانوں کا واسطہ بالفعل بنکنگ کے نظام سے پڑا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ یہ سارا نظام سود پر مبنی ہے اور اسلام مسلمانوں کو سود لینے دینے سے منع

☆ ڈین 'شعبہ اسلامی فکر وتہذیب'..... یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے، بعض مسلمانوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا یہ نظام سود کے بغیر نہیں چلایا جا سکتا؟ یوں 'اسلامی بنکنگ' کے بارے میں سوچ کی ابتدا ہوئی۔ برصغیر میں 'اسلامی معاشیات' کے حوالے سے جو ماہرین اور سکالرز سرگرم تھے (جیسے ہندوستان کے ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، پاکستان کے پروفیسر خورشید احمد اور سعودی عرب میں مقیم پاکستانی سکالر عمر چھاپرا وغیرہ) اُنہوں نے اس تصور کی حمایت کی کہ موجودہ سودی بنکوں کے نظام میں اگر اسلامی حوالے سے کچھ تبدیلیاں کر دی جائیں تو یہ بنکنگ اسلامی اور جائز ہو جائے گی۔ بعض مسلمان عرب سرمایہ داروں نے اس پر عمل کی ٹھانی، پھر بوجوہ مغرب نے اس منصوبے کی حمایت اور سرپرستی شروع کر دی نتیجتاً دھڑا دھڑ 'اسلامی بنک' کھلنے لگے بلکہ اب تو عام بنکوں نے بھی 'اسلامی کاؤنٹر' کھول کر اس کاروبار بلکہ 'کارِ خیر' میں حصہ لینا شروع کر دیا ہے۔

علمائے کرام کی اکثریت اس نظام کے سود پر مبنی ہونے کی وجہ سے اس کی مخالف تھی (اگرچہ بطور استثنیٰ کوئی اِکا دُکا عالم بنکوں کے سود کو 'ربا' ماننے میں تردّد کا اظہار کرتا تھا) لیکن پاکستان کے مشہور عالم دین اور دارالعلوم کورنگی کے سربراہ مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے صاحبزادے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے ..... جو اس سے پہلے پاکستان کی سپریم کورٹ میں جاگیرداری کو اسلام کے مطابق قرار دینے کا فیصلہ سنا کر شہرت حاصل کر چکے تھے..... مذکورہ 'اسلامی بنکنگ' کو شرعی اور اسلامی قرار دے کر اس کی حمایت اور سرپرستی شروع کر دی۔ ان کے اس رویے پر علمائے کرام میں دبے لفظوں میں چہ میگوئیاں ہوتی رہیں، لیکن بالآخر اگست ۲۰۰۸ء میں ملک بھر کے سرکردہ (دیوبندی) علماء اور دینی مدارس کے مفتی صاحبان نے کراچی میں جمع ہو کر مشترکہ فتوے کے ذریعے بالاتفاق 'اسلامی بنکنگ' کے اس نظام کو غیر شرعی اور غیر اسلامی قرار دے دیا۔[1]

ان کے فتوے کی بنیاد یہ ہے کہ سودی نظام کی اساس پر قائم بنکوں نے اپنے نظام کو 'اسلامی' اور 'مطابق شریعت' بنانے کے لئے جو ذرائع (Tools) اور طریقے (Products) اختیار کئے ہیں، وہ اسلامی حوالے سے ناکافی اور غیر مؤثر ہیں، اور ان بنکوں کا نظام اپنی اصل

[1] روزنامہ 'جنگ' لاہور، ۲۹/ اگست ۲۰۰۹ء ..... مکمل متن کے لئے دیکھیں، ماہنامہ محدث: جلد ۴۱، عدد ۴ شمارہ مارچ/اپریل ۲۰۰۹ء

www.KitaboSunnat.com

کے مطابق سودی ہی ہے، لہٰذا غیر شرعی اور نا قابل قبول ہے۔ہمیں اس فتویٰ سے سو فیصد اتفاق ہے اور ہم اس کی مکمل حمایت کرتے ہیں لیکن اس مضمون میں ہماری ترکیز اس نکتہ پر نہیں ہے بلکہ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مزعومہ 'اسلامی بنکنگ' کی بنیادی فکر اور اپروچ ہی غلط ہے کیونکہ

① اسلام اور مغربی تہذیب کی فکری بنیادیں ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ لہٰذا

② مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام اپنے اہداف اور طریق کار میں اسلام کے معاشی نظام سے متصادم ہے۔ اور

③ چونکہ دو باہم متضاد عناصر میں تلفیق ممکن نہیں اور نہ ہی اُنہیں ایک دوسرے میں مدغم کیا جا سکتا ہے لہٰذا مغرب کے سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے کسی جزو میں اسلام کے معاشی نظام کے کسی ایک جزو کا پیوند نہیں لگ سکتا اور نہ اسے یہ پیوند لگا کر 'اسلامی' بنایا جا سکتا ہے۔

④ یہودیوں کے سودی نظام کو حیلے بہانے سے غیر سودی اور اسلامی قرار دینا اجتہاد اور تجدید نہیں، تجدد اور بدعت ہے اور مغرب کے غیر اسلامی فکر وعمل کو مشرف بہ اسلام کرنا ہے بلکہ یہ اسلام کو مغربی فکر وعمل کے مطابق ڈھالنا ہے؛ لہٰذا یہ مردود اور نا قابل قبول ہے۔

⑤ مزعومہ 'اسلامی بنکنگ' کا یہ نظام اس لئے کامیابی سے چل رہا ہے کہ مغرب کے یہودی اور ان کے حواری حکمران اس مزعومہ 'اسلامی بنکنگ' کی حمایت اور سرپرستی کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کی اربوں کھربوں کی دولت کا وہ حصہ، جو وہ بنکوں میں ان کے غیر اسلامی ہونے کی بنا پر نہیں رکھتے تھے، گردش میں آ جائے اور دوسرے لفظوں میں ان کے تصرف میں آ جائے۔

لہٰذا ان اسباب کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ 'اسلامی بنکنگ' کی بنیادی اپروچ ہی فکری اور نظری حوالے سے غلط اور خلافِ اسلام ہے اور نا قابل قبول ہے۔سطورِ ذیل میں ہم انہی مذکورہ بالا پانچ نکات پر ذرا تفصیلی گفتگو کریں گے:

❶ اسلام اور مغربی تہذیب کے بنیادی افکار ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہیں

مغربی تہذیب جن افکار ونظریات پر کھڑی ہے ان میں سے اہم یہ ہیں:[۲]

www.KitaboSunnat.com

ھیومنزم (Humanism): کائنات میں مرکزی حیثیت انسان کو حاصل ہے۔ وہ آزاد اور خود مختار ہے، کہ زندگی کے بارے میں جو فیصلہ چاہے کرے اور یہ طے کرے کہ اسے زندگی کن اُصولوں کے مطابق گزارنا ہے۔ وہ 'اللہ' جیسی کسی بالاتر ہستی کا 'عبد' نہیں ہے جس کے احکام کی اطاعت اس پر لازم ہو بلکہ وہ خود مختار اور مختارِ کل ہے اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی، حق و باطل، خیر و شر، جائز و ناجائز اور حلال و حرام کے بارے میں جو چاہے فیصلے کر سکتا ہے۔

سیکولرزم (Secularism): بالفرض اگر کسی کو خدا کو ماننا بھی ہے تو وہ اپنی ذاتی زندگی میں (انفرادی حیثیت سے) اسے مان سکتا ہے لیکن اس خدا کو انسانوں کے اجتماعی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ مطلب یہ کہ سول سوسائٹی اور ریاست کے معاشی، معاشرتی، قانونی، تعلیمی، سماجی..... ڈھانچے اور نظام میں اللہ کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں بلکہ انسان آزاد ہے کہ ان معاملات میں اپنی مرضی اور اپنی عقل سے جو فیصلے چاہے کرے۔

کیپٹل ازم (Capitalism): سرمایہ دارانہ نظام کا لبِ لباب یہ ہے کہ انسان کی ساری کوششوں کا محور دنیا اور اس کی دولت ہونی چاہئے۔ دوسرے لفظوں میں سرمایہ دارانہ ذہنیت کا حاصل ہے: حبِ دنیا اور حبِ مال۔ مطلب یہ کہ انسان کی ساری تگ و دو اس غرض سے ہونی چاہئے کہ اسے دنیا میں زیادہ سے زیادہ آسائشیں اور سہولتیں ملیں۔ اس کا مطمحِ زندگی یہ ہو کہ بنک بیلنس بڑھے، کار ہو، کوٹھی ہو اور معیارِ زندگی بلند سے بلند تر ہو۔ حب دنیا اور حب مال کی اس دوڑ کا لازمی نتیجہ ہے: آخرت سے اِغماض اور اس کی عدمِ اہمیت اور عدمِ ترجیح۔

ایمپریسزم (Empiricism): ایمپریسزم کا مطلب یہ ہے کہ علم حقیقی کا منبع صرف عقل و حواس ہیں۔ یعنی حق صرف وہ ہے جو عقلی معیار پر پورا اُترے اور مشاہدے اور تجربے میں آ سکے۔ جو اِن معیارات پر پورا نہ اُترے وہ علم نہیں، اس کے حق اور حتمی طور پر صحیح ہونے کی کوئی گارنٹی نہیں بلکہ ایسے نظریات عموماً غیر سائنٹفک اور توہمات پر مبنی ہوتے ہیں۔

---

② Kevin O' Donnell, *A History of Ideas,* Lion Publishing Plc, Oxford UK, 2003Kenneth Long, *Philosophy - The Power of Ideas,* Mayfield Publishing Co. California, 1999.

www.KitaboSunnat.com

مغرب میں اس کے علاوہ بھی بہت سے ازم ہیں جیسے لبرلزم، یوٹیلی ٹیرنزم (Utilitarianism)، ری ڈکشنزم (Reductionism) ..... وغیرہ لیکن جن چار اہم تصورات کا ہم نے سطورِ بالا میں ذکر کیا ہے، اگر ہم صرف انہی کو سامنے رکھیں تو مغرب کا جو ورلڈ ویو (تصورِ انسان، تصورِ اِلہ اور تصورِ کائنات) سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس کے تصورِ انسان کی رو سے انسان خود اپنی مرضی کا مالک ہے، خود مختار ہے اور کسی کا عبد نہیں ہے۔ اس کا تصور اِلہ یہ ہے کہ کوئی بالاتر ہستی ایسی نہیں جس کی اطاعت اس پر لازم ہو۔ دوسرے لفظوں میں وہ اپنا خدا خود ہے (ہیومنزم)۔ اور اگر کوئی خدا ہے بھی تو اسے انسان کے اجتماعی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ گویا یہ انسانوں کی مرضی اور اختیار ہے کہ وہ خدا کے دائرۂ کار کا تعین کریں (سیکولرزم)۔ کیپٹل ازم کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے اور ہماری ساری تگ و دو کا محور یہی زندگی ہونی چاہیے گویا عملاً آخرت کی نفی۔ اسی طرح ایمپریسزم کا حاصل ہے: وحی کی سیادت کا انکار اور عقل وحواس ہی کو منبع علم وحقائق سمجھنا۔

اس مختصر تجزیے سے واضح ہے کہ مغرب کا ورلڈ ویو اسلام کے ورلڈ ویو کے برعکس ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ انسان عبد ہے اور ایک اللہ ہی معبود اور مطاع ہے جب کہ ہیومنزم اور سیکولرزم کی رو سے اللہ کی بجائے خود انسان مختارِ کل اور مختارِ مطلق ہے۔ کیپٹل ازم کی رو سے دنیا ہی سب کچھ ہے۔ جب کہ اسلام کی رو سے آخرت ہی سب کچھ ہے اور اسے دنیا پر ترجیح حاصل ہے۔ ایمپریسزم کی رو سے صرف عقل وحواس ہی منبع علم ہیں جب کہ اسلام کی رو سے اللہ کی طرف سے آئی ہوئی وحی (قرآن حکیم) ہی حقیقی اور حتمی علم ہے۔

ان اُمور سے واضح ہوتا ہے کہ مغرب کے وہ افکار ونظریات جن پر اس کی تہذیب کی عمارت کھڑی ہے، صریحاً خلافِ اسلام ہیں بلکہ اسلامی عقائد سے متصادم ہیں۔ اسلام نام ہے اللہ کی غیر مشروط اطاعت کا اور مغرب کے مذکورہ بالا افکار کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی غیر مشروط اطاعت کا انکار۔ یہی کفر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا انکار اور انسان کا اپنی مرضی پر اصرار۔ گویا یہ کہنا محض ایک حقیقت کا اظہار ہے اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ مغرب کی فکری بنیادیں کفر و اِلحاد پر مبنی ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

❷ مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام اسلامی نظامِ معیشت سے متصادم ہے

اہل مغرب نے الٰہی ہدایت کا انکار اور اپنی عقل ونفس پر اعتماد کرتے ہوئے اپنا اجتماعی نظام اور اجتماعی ادارے خود وضع کئے ہیں۔ بحیثیتِ مسلمان ہم سمجھتے ہیں کہ ان فاسد افکار و عقائد کی بنیاد پر اِداروں اور تمدن کی جو عمارت کھڑی ہوگی، وہ بھی لازماً فساد فی الارض پر منتج ہوگی۔ سطورِ ذیل میں ہم مغرب کے اختیار کردہ معاشی نظام کے اہم اُصولوں کا ذکر کریں گے۔[۳] اور یہ بتائیں گے کہ وہ اسلام کے پیش کردہ معاشی اصولوں کے بالکل متضاد ہیں:

① **معیشت کی بنیاد سرمایہ داری ہے:** نظامِ معیشت میں بنیادی حیثیت سرمایہ کو حاصل ہے۔ اس سے یہ اُصول بھی مستنبط ہوا کہ محض سرمائے کے استعمال سے افزائشِ دولت جائز ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے 'سود' کہا جاتا ہے یعنی محنت کو شامل کئے بغیر محض پیسے سے مزید پیسے کمانا۔ یہی چیز غریبوں کے استحصال کا سبب بنتی اور ارتکازِ دولت کو جنم دیتی ہے جس سے غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اس کے ردّعمل میں کمیونزم کا نظام اُبھرا جس نے سرمائے کی برتری کو ردّ کرتے ہوئے انسانی محنت کو معیشت میں بنیادی حیثیت دی اور دوسری انتہا تک چلا گیا۔ ان دونوں کے مقابلے میں اسلام نے اپنے نظامِ معیشت میں انسان اور اس کی اخلاقی اور روحانی زندگی کو بنیادی اہمیت دی اور سرمائے اور محنت دونوں کے لئے ایک متوازن کردار تجویز کیا۔ اس نے ایک طرف سود کی نفی کی تو دوسری طرف محنت کو بھی اس کا جائز مقام دیا۔[۴] یوں اسلام نے ایک معتدل اور متوازن معاشی فکر دی اور مسلمانوں نے اپنے ہزار سالہ دورِ اقتدار میں اپنے معاشی نظریے کو قابل عمل اور انسان کی معاشی ترقی میں اس کا ممد ومعاون ہونا عملاً ثابت کر کے دکھا دیا۔

② **لامحدود حقِ ملکیت:** نظامِ سرمایہ داری میں فرد کو لامحدود حقِ ملکیت حاصل ہے۔ یہ چیز بسا اوقات استحصال کا سبب بنتی ہے اور معاشرے کے اجتماعی مفادات کو نقصان پہنچاتی ہے۔

---

③ James Fulucher, *Capitalism*, Oxford University Press Karachi, 2004.

④ M. Fahim Khan, *Essays in Islamic Economics*, Islamic Foundation Leicester, UK

www.KitaboSunnat.com

مغرب میں کارپوریٹ ملکیت کے تصور نے اس کو مزید گھمبیر بنا دیا ہے۔اس کے ردعمل میں کمیونزم نے فرد سے حق ملکیت کلی طور پر چھین لیا اور یہ حق ریاست کو دے کر فرد کو اس کا غلام بنا دیا۔ اسلام ان دونوں انتہاؤں کے مقابلے میں ایک معتدل اور متوازن راہ اختیار کرتا ہے۔ اس نے فرد کو حق ملکیت دیا لیکن کسبِ رزق پر اخلاقی پابندیاں عائد کر کے اسے لامحدود نہیں رہنے دیا۔ اسی طرح اس نے اجتماعی مفاد کے مقابلے میں فرد کے حق ملکیت پر قدغن لگا دی اور دوسری طرف اس نے ریاست کی آمریت کے مقابلے میں فرد کی آزادی کی حمایت کی۔ ⑤

③ کسبِ وسائل اور صَرفِ وسائل پر اخلاقی قیود کی نفی: مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام چونکہ نظامِ معیشت میں کسی منزل من اللہ دین کی سیادت کو نہیں مانتا لہٰذا وہ ان اخلاقی پابندیوں کو بھی ردّ کر دیتا ہے جو اللہ اور اس کا رسول عائد کرتے ہیں مثلاً حلال وحرام کی پابندی یا باطل طریقوں سے مال کمانے پر پابندی۔ چنانچہ مغرب میں جوئے کی آمدنی جائز ہے، اور ناچ گانے کی آمدنی اور شراب فروخت کر کے حاصل ہونے والی آمدنی بھی قانونی اور جائز ہے۔

اسی طرح مغرب کا معاشی نظام، صَرفِ وسائل پر بھی کوئی اخلاقی پابندی عائد نہیں کرتا مثلاً وہاں ایک شخص شادی کئے بغیر کسی گرل فرینڈ کے ساتھ ازدواجی زندگی گزار سکتا اور اس پر لاکھوں روپے خرچ کر سکتا ہے اور ایسا کرنا جائز اور قانونی ہے۔ اسی طرح شراب نوشی، جوئے، زنا، لواطت وغیرہ پر خرچ کرنا جائز اور قانونی ہے۔ اسی طرح گورنمنٹ کا ٹیکس دینے کے بعد ہر طرح کا اِسراف بھی جائز ہے۔

④ حاصلات میں فرق: اسلام کے معاشی نظام میں فرد ایک پاکیزہ اور مطمئن زندگی گزار سکتا ہے۔ اسلام کی رو سے ہر چیز کا مالک اللہ ہے اور انسان کو دنیا میں جو وسائل ملتے ہیں، وہ اللہ کی توفیق کا نتیجہ ہوتے ہیں، نہ کہ اس کے زورِ بازو کا۔ ⑥ لہٰذا انسان کی حیثیت ایک امین کی سی ہوتی ہے اور بحیثیتِ عبد کسبِ دولت اور صَرفِ دولت میں وہ اللہ کے احکام کی تعمیل کرنے کا

---

⑤ مولانا محمد حافظ و مولانا سید محبوب الحسن، سرمایہ دارانہ نظام - ایک تنقیدی جائزہ، کراچی ۲۰۰۶ء

⑥ Don Peretz & Others, *Islam - Legacy of the Past, Challenge of the Future*, North River Press, New York, 1984.

www.KitaboSunnat.com

پابند ہوتا ہے۔یعنی وہ صرف حلال اور پاکیزہ ذرائع سے مال کماتا ہے اور صرف ان مدات میں اسے خرچ کرتا ہے جن کی اسے اللہ اجازت دیتا ہے۔اسلام انسان کو معاشی جدوجہد کے ساتھ قناعت اور توکل کا درس بھی دیتا ہے اور یوں اسے حرص، ہوس اور حسد سے بچاتا ہے۔اسلام جنہیں وسائل رزق دیتا ہے، اُنہیں اسے غریبوں، یتیموں، بیواؤں، مسکینوں اور خیر کے دوسرے کاموں پر خرچ کرنے پر اُکساتا ہے۔ مالِ تجارت، زیورات، معادن، زراعت اور لائیوسٹاک میں سے کچھ حصہ لازمی طور پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے (زکوٰۃ)⑦ بلکہ آخرت میں اللہ کی خوشنودی اور غریبوں کی مدد کے لئے اپنی ضرورت سے زائد سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔⑧ اسلام کی ان تعلیمات سے معاشرے میں انصاف اور عدلِ اجتماعی کا ماحول پیدا ہوتا ہے اور ایک جنت نظیر معاشرہ وجود میں آتا ہے جو حرص، ہوس، حسد، فراڈ، رشوت اور بددیانتی سے پاک ہوتا ہے، لوگ ایک دوسرے کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں، معاشرے میں اخوت اور بھائی چارہ بڑھتا ہے اور قناعت، توکل اور اطمینانِ قلب کی کیفیت میسر آتی ہے۔⑨

اس کے مقابلے میں مغرب میں چونکہ ہیومنزم اور سیکولرزم جیسے نظریات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا صحیح تصور گہنا گیا ہے اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کی ترجیح کا تصور غالب آ گیا ہے لہٰذا دنیا اور دولت کی محبت وہاں بنیادی قدر کی حیثیت اختیار کر گئی ہے دین و اخلاق کا پہلو غالب نہ ہونے کی وجہ سے حرص، ہوس، حسد ہر قیمت پر اور جلد سے جلد امیر ہونے کی خواہش نے اَفراد کو دنیاوی اُمور میں مسابقت اور ہر قیمت پر معیارِ زندگی بلند کرنے کی دوڑ میں شامل کر دیا ہے، اسی بنا پر وہاں سے صبر، توکل، قناعت اور اطمینانِ قلب رخصت

⑥ سورۂ سبا ۳۹، القصص: ۷۸ ⑦ النور: ۵۶ ⑧ البقرۃ: ۲۱۹

⑨ بجا طور پر سوال کیا جا سکتا ہے کہ ایسا اسلامی معاشی نظام ہے کہاں؟ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری بدقسمتی ہے (اور ہم خود ہی اس کے ذمہ دار ہیں) کہ اسلام کا مذکورہ بالا نظام معیشت اس وقت کسی اسلامی ملک میں مکمل طور پر نافذ نہیں ہے کہ ہم اسے بطورِ نمونہ اہل دنیا کو دکھا سکیں کہ یہ ہے اسلام کا معاشی نظام۔لیکن چونکہ ماضی میں یہ ماڈل اپنی بہار دکھا چکا ہے، اس لئے اسلامی نظام معیشت کے ماڈل کا قابل عمل اور نتیجہ خیز ہونا شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

www.KitaboSunnat.com

ہو گیا ہے، نتیجتاً انسان معاشی حیوان بن کر رہ گیا ہے جسے صرف اپنے معاشی مفاد سے غرض ہے۔ اس چیز نے وہاں ذہنی اضطراب اور ذہنی دباؤ کی شکل اختیار کر لی ہے، نفسیاتی امراض کی کثرت ہے اور لوگ زندگی سے منہ موڑ کر خودکشیاں کرنے لگے ہیں۔

اگرچہ مغرب میں معاشی جبر اور ظلم وستم کا وہ ماحول اب موجود نہیں رہا جو اُنیسویں صدی تک وہاں موجود تھا اور جس کے ردعمل میں کمیونزم جیسا انتہا پسندانہ معاشی نظام ابھرا لیکن سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیاں اب بھی اپنی جگہ موجود ہیں جن کی وجہ سے مغرب کے چند صنعتی طور پر ترقی یافتہ ممالک میں سرمائے کا ارتکاز ہو گیا ہے اور دوسری قومیں وسائل سے محروم ہیں جو بجا طور پر یہ سمجھتی ہیں کہ ان ترقی یافتہ ممالک کی خوشحالی ماضی میں ان کے معاشی وسائل کے استحصال کا نتیجہ ہے۔ اس عدمِ مساوات نے کشمکش اور احتجاج کو جنم دیا ہے اور G-8 اور G-20 کا اجلاس جہاں بھی ہوتا ہے، خود مغرب کے فہیم عناصر اس کی مخالفت اور اس کے خلاف مزاحمت کرتے ہیں۔ یوں مغرب کے سرمایہ دارانہ معاشی نظام کی ناانصافی اظہر من الشمس ہے، باقی افراد کے اخلاق وکردار پر اس نے جو تباہ کن اثرات ثبت کئے ہیں، وہ اس پر مستزاد ہیں، پوسٹ ماڈرنسٹ فلاسفر اور ماہرین معیشت اس پر سخت تنقیدیں کر رہے ہیں۔[10]

اِس مختصر تجزیے اور تقابلی مطالعے سے واضح ہے کہ مغرب کا معاشی نظام اپنے اُصولوں اور نتائج کی رو سے اسلام کے معاشی نظام سے متصادم اور متضاد ہے۔

❸ مغرب کے معاشی نظام میں اسلام کا پیوند نہیں لگ سکتا

[10] یہاں یہ سوال پیدا ہونا بالکل فطری ہے کہ اگر سرمایہ دارانہ نظام غیر فطری اور غیر عادلانہ بنیادوں پر قائم ہے تو آج وہ کامیاب کیوں ہے اور اسلام کا نظام عادلانہ اور فطری ہونے کے باوجود مسلمان مفلس ولاچار کیوں ہیں؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اہل مغرب کی معاشی حالت مسلمان ممالک کے مقابلے میں اس لئے بہتر ہے کہ اپنے نظریۂ حیات سے وابستگی کی وجہ سے ان میں محنت، اتحاد، منصوبہ بندی، پابندی قانون اور اسباب دنیا سے استفادے کی برتر صلاحیت موجود ہے جبکہ مسلمان اپنے نظریۂ حیات سے عدم وابستگی کی وجہ سے ان صلاحیتوں سے محروم ہیں اور دوسری باتوں میں پیچھے رہنے کے علاوہ معاشی طور پر بھی پس ماندہ ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

جب یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام اور مغربی تہذیب کا ورلڈ ویو ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہے اور ان باہم متضاد اُصولوں کی وجہ سے جو اجتماعی ادارے وجود میں آتے ہیں، خصوصاً معاشی نظام، وہ بھی اپنے مقاصد اور طریق کار کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہیں تو اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ان میں نہ تو تطبیق و تلفیق ممکن ہے اور نہ ان دونوں کو ایک دوسرے میں ضم کیا جا سکتا ہے۔ یہ دو الگ جسم ہیں جن کی کیمسٹری ایک دوسرے سے الگ ہے لہٰذا ان میں باہم انسجام و انضمام ممکن ہی نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے دو افراد کا بلڈ گروپ اگر ایک نہ ہو تو ایک کا گردہ دوسرے کو نہیں لگ سکتا۔ بلکہ آپریشن کر کے اگر ایک کا گردہ دوسرے کے جسم میں لگا بھی دیا جائے تو دوسرے فرد کا جسم اسے قبول نہیں کرتا اور وہ گردہ صحیح کام نہیں کرتا کیونکہ دونوں کا بلڈ گروپ مختلف ہوتا ہے۔

بعینہٖ مغرب کا ایک معاشی نظام ہے جو ایسے اُصولوں پر قائم ہے جو اپنی کنہ میں غیر اسلامی اور خلافِ اسلام ہیں، لہٰذا اس معاشی نظام کے ایک جزو یعنی بنکنگ میں، جو سود اور سرمایہ دارانہ نظام کے دیگر 'غلط' اُصولوں کے تحت کام کر رہا ہے، اس میں سرمایہ دارانہ نظام کے مخالف و متضاد کسی اسلامی اُصول کا پیوند کیسے لگایا جا سکتا ہے؟ اور اگر لگا بھی دیا جائے تو وہ صحیح کام کیسے کر سکتا ہے اور اچھے نتائج کیسے دے سکتا ہے؟ یہ چیز عقلاً محال اور منطقی طور پر ناقابل فہم ہے جیسے کہ بلڈ گروپ کے اختلاف اور انتقالِ گردہ کی مذکورہ بالا مثال سے واضح ہے۔

اسلام کا معاشی نظام اور مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام دو مختلف پیراڈائم ہیں لہٰذا ایک پیراڈائم کی ایک چیز لے کر دوسرے پیراڈائم کے کسی خانے میں کیسے فِٹ کی جا سکتی ہے؟ اور اگر کوئی ایسا کرے بھی تو اس طرح کا نظام قابل عمل کیسے ہو سکتا ہے اور اچھے نتائج کیسے دے سکتا ہے؟ خلاصہ یہ کہ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کے تحت قائم کردہ بنکنگ کے نظام کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جا ہی نہیں سکتا۔ یہ اجتماعِ ضدین ہے، جو عقلاً محال اور منطقی طور پر ناقابل عمل ہے۔

www.KitaboSunnat.com

❹ یہ اجتہاد نہیں، تجدّد ہے جو نا قابل قبول ہے

اسلام میں اجتہاد کا تصور کیا ہے اور کیا بنکوں کے نظام کو اسلام کے مطابق بنانے کی کوشش کرنا اجتہادی عمل ہے؟ اسلام میں اجتہاد کا تصور یہ ہے کہ نصوص چونکہ محدود ہیں اور انسانی مسائل و مشکلات لامحدود ہیں لہٰذا اگر کسی معاملے میں نصوص میں واضح شرعی حکم موجود نہ ہو تو نصوص کی روشنی میں، ان پر قیاس کرتے ہوئے اور ان کی روح اور مقاصد شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے اس معاملے میں حکم شرعی دریافت کرنے کی کوشش کی جائے۔ ⑪

معاملات میں چونکہ شارع کا اُسلوب یہ ہے ـــ جو سراسر حکمت پر مبنی ہے ـــ کہ اس نے ان کا تفصیلی ڈھانچہ فراہم نہیں کیا بلکہ پالیسی اُصول دینے پر اکتفا کیا ہے لہٰذا پالیسی اُصولوں کی حامل نصوص اور شریعت کے مقاصدِ عامہ کو سامنے رکھتے ہوئے معاملات سے متعلق اداروں کے تفصیلی ڈھانچے تیار کرنا بلاشبہ ایک اجتہادی کام ہے۔ چنانچہ معاشی نظام سے متعلق پالیسی اُصولوں پر مبنی نصوص اور شریعت کے مقاصدِ عمومی کو سامنے رکھتے ہوئے تفصیلی معاشی نظام کی تشکیل بلاشبہ کارِ اجتہاد ہے اور اُمت کے جلیل القدر فقہا اور مجتہدین یہ کام ماضی میں بھی کرتے رہے ہیں اور بلاشبہ آج بھی اس کی ضرورت ہے۔

لیکن جو لوگ اجتہاد کے اس عمل سے واقف ہیں (یعنی اہل علم وتفقہ) وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس اجتہاد کے لئے محض قرآن وسنت، عربی زبان اور اسلام کے معاشی اُمور میں مہارت کافی نہیں بلکہ جن امور میں اور جن حالات میں اجتہاد کرنا ہو [فقہ الواقع]، ان سے گہری واقفیت بھی ضروری ہے۔ بلکہ کوئی مجتہد اس وقت تک اجتہاد کا حق ادا کر ہی نہیں سکتا جب تک وہ ان حالات کا گہرا ادراک نہ رکھتا ہو جن میں اسے اجتہاد کرنا ہے۔ اس لئے اُصولِ فقہ میں مجتہد کی شرائط اور اہلیت کے حوالے سے یہ ایک مسلمہ اور متفقہ اُصول ہے کہ مجتہد حالاتِ حاضرہ سے اور جس معاملے میں وہ اجتہاد کرنے جا رہا ہے، اس کے متعلق حالات وعصری کوائف سے بخوبی واقف ہو۔ ⑫

---

⑪ إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول از محمد بن علی الشوکانی، ص ۳۵۰

⑫ الوجيز في أصول الفقه از الدکتور عبدالکریم زیدان، ص ۴۰۵

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا اگر کوئی عالم دین آج اسلام کے معاشی نظام کی فروعات اور اس کی عصری تطبیقات پر اجتہادی نقطہ نظر سے کام کرنا چاہتا ہے تو وہ یہ کام اس وقت تک صحیح رخ میں نہیں کرسکتا جب تک وہ عصری حوالے سے مندرجہ ذیل حقائق سے باخبر نہ ہو:

① مسلمان اس وقت زوال پذیر ہیں اور ان کی تہذیب مغلوب ہوچکی ہے۔

② اہل مغرب کی ایک ایسی تہذیب اس وقت دنیا میں غالب ہے جس کی بنیادیں کفر والحاد پر کھڑی ہیں اور ان ملحدانہ بنیادوں پر اُنہوں نے جو معاشی نظام تشکیل دیا ہے، وہ بھی غیر اسلامی اور خلافِ اسلام اُصولوں پر مبنی ہے جیسے سود، قمار، استحصال، باطل طریقوں سے مال کمانا اور ناجائز مدات میں خرچ کرنا وغیرہ۔

③ اہل مغرب یہود و نصاریٰ ہیں اور قرآن وسنت کی واضح نصوص موجود ہیں کہ وہ اسلام و مسلمان دشمن اور ان کے بدخواہ ہیں۔[۱۳]

④ ہر وہ مسلمان، جس کی عقل سلامت ہے اور جو بصارت و بصیرت سے محروم نہیں ہے، یہ دیکھ سکتا ہے کہ مغربی تہذیب کی علمبردار اقوام اور ممالک، اِسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اُنہوں نے اسلام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے روبہ زوال ملتِ اسلامیہ کے خلاف سازشیں کیں، اُنہیں گرایا، ان کے علاقوں پر قبضہ کیا، ان کو غلام بنایا، ان کے معاشی وسائل لوٹے، ان کے اجتماعی ادارے تباہ کئے اور ان کی جگہ اپنی فکر وتہذیب کے مطابق اجتماعی ادارے از سرنو تشکیل دیئے۔ اُنہوں نے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی بھرپور جدوجہد کی اور اس میں ناکامی پر انہوں نے مسلمانوں کے نظامِ تعلیم وتربیت کو بدل ڈالا تاکہ وہ مسلمانوں کے دل و دماغ فتح کرسکیں، اُنہیں اسلام سے دور کرسکیں اور اسلام کی بجائے اپنی فکر وتہذیب کا شائق بنا سکیں تاکہ مسلمان ہمیشہ ان کے غلام اور برائے نام مسلمان رہیں۔

اُن کے اِن تمام اسلام اور مسلم کش اقدامات کے باوجود اُمتِ مسلمہ نے غیرت وحمیت کا ثبوت دیا اور ان کی مزاحمت جاری رکھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو آپس میں لڑا کر (پہلی اور

---

[۱۳] البقرۃ:۱۲۰، المائدۃ:۵۱

www.KitaboSunnat.com

دوسری جنگِ عظیم میں) کمزور کیا اور یہ استعماری گروہ مسلمان ممالک کو کچھ آزادی دینے پر مجبور ہوئے لیکن ان کے خبثِ باطن کا سلسلہ جاری رہا۔ اُنہوں نے نوزائدہ مسلم ممالک میں اقتدار ان سیاستدانوں کو منتقل کیا جو اس کی فکر وتہذیب کے رسیا تھے اور اس کے اداروں کے تربیت یافتہ تھے ۔ پھر اُنہیں مسلمان ملکوں کے اسلامی عناصر سے لڑایا، عوام سے اُنہیں دور رکھا اور اُنہیں اپنا گماشتہ بنا کر اپنی اسلام مخالف پالیسیاں مسلمان ممالک میں ان کے ذریعے جاری اور نافذ کروائیں۔ اُنہوں نے ان حکمرانوں کو اسلام کے مطابق اجتماعی ادارے تشکیل نہ کرنے دیے بلکہ ہر قسم کا دباؤ ڈال کر مجبور کیا کہ وہ دورِ غلامی کے مغربی تہذیب کے مطابق بنے ہوئے اجتماعی اداروں کا تسلسل باقی رکھیں اور اُنہیں ہی چلنے دیں، خصوصاً اُنہوں نے نظام تعلیم و تربیت کو اسلامی تقاضوں کے مطابق نہ بدلنے دیا تاکہ صحیح نقطہ نظر اور کردار کے حامل مسلمان پیدا ہی نہ ہوسکیں۔ اسی منہج پر چلتے ہوئے مغربی قوتوں نے مسلم ممالک میں اسلامی تقاضوں کے مطابق معاشی نظام نہ بننے دیا تاکہ مسلمان معاشرے اقتصادی لحاظ سے مضبوط نہ ہوسکیں چنانچہ اُنہوں نے سودی بنک کھلے رکھے، قمار کی معیشت جاری رکھی، 'ترقی' کے نام پر اُنہوں نے ان گماشتہ حکمرانوں کو سودی قرضوں کی ترغیب دی، اُنہیں اَللّٰے تللّے کر کے اِن رقوم کو برباد کرنے دیا اور یوں مسلم ممالک کو سودی قرضوں میں جکڑ کر اُنہیں معاشی طور پر تباہ و برباد کر دیا۔ اور آج اُمتِ محمدیہ کی اکثریت بھوک اور افلاس کے عذاب میں مبتلا ہے۔

اہل مغرب کی ان ساری کوششوں کے باوجود مسلمان قوم مکمل طور پر ان کے قبضے میں نہ آئی جس کے دو بڑے مظہر ہیں:

ایک تو یہ کہ مغرب کی ان ساری سازشوں کے علیٰ الرغم پاکستان نے ایٹم بم بنا لیا، ملائیشیا معاشی طور پر مضبوط ہو گیا، عراق عسکری طور پر مستحکم ہو گیا، ایران اور افغانستان میں اسلامی عناصر برسر اقتدار آ گئے..... چنانچہ مغرب اور اس کا سرخیل امریکہ اس صورت حال کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے نئی صلیبی جنگوں کا آغاز کر دیا۔ پہلے عراق کو تباہ و برباد کیا، اس کے بعد پاکستان میں اپنی مرضی کی گماشتہ فوجی حکومت بنوا کر اور اس کی مدد سے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اب وہ پاکستان پر حملے کر رہا ہے اور ایران کی

www.KitaboSunnat.com

باری آیا چاہتی ہے۔

دوسرے، مغرب اور ان کے مقامی آلہ کار حکمرانوں کی سازشوں کی وجہ سے بیشتر مسلم ممالک میں اسلامی عناصر برسر اقتدار تو نہ آسکے تاہم اُنہوں نے منظّم ہوکر اور سیاسی جماعتیں اور ادارے بنا کر حکمرانوں پر دباؤ جاری رکھا کہ وہ مسلم ریاست کا نظام اسلامی اُصولوں کے مطابق چلائیں خصوصاً معاشی نظام کو سود سے پاک کریں، زکوٰۃ وعشر کے لئے ادارے بنائیں، تقسیم دولت کا نظام درست کریں، خود انحصاری کی طرف آئیں اور اسلامی معیشت کے دوسرے اُصولوں کو نافذ کریں۔ اسلامی عناصر کے دباؤ پر مسلمان حکمران مجبور ہوکر بعض اوقات تھوڑی بہت اور برائے نام سرگرمی ان معاملات میں دکھاتے ہیں لیکن چونکہ ان میں سے اکثریت کی نیت ٹھیک نہیں ہوتی اور وہ اسلام کے معاشی نظام پر عمل کرنے میں مخلص نہیں ہوتے بلکہ مغربی تہذیب سے مرعوب ہونے کی وجہ سے یہی سمجھتے ہیں کہ ترقی کا مغربی ماڈل ہی درست اور قابل عمل ہے۔ اور نہ ہی مغربی آقا اُنہیں کسی سنجیدہ اسلامی تبدیلی کی اجازت دیتے ہیں چنانچہ وہ معمولی، سطحی اور برائے نام قسم کے اقدامات کرتے ہیں جس سے نام تو اسلام کا آجائے اور بھولے بھالے عوام اور مولوی خوش ہوجائیں کہ اسلام نافذ ہوگیا ہے لیکن عملاً سنجیدہ اور مؤثر اقدامات نہیں کئے جاتے۔

پاکستان ہی کی مثال لیجئے کہ بنکوں کے سودی کھاتوں کو 'نفع نقصان کھاتوں' کا نام دے دیا گیا۔ اجارہ اور مضاربہ جیسی اسلامی اصطلاحات استعمال کی جانے لگیں اور تسمیات کے ساتھ ظاہری ڈھانچے میں معمولی تبدیلی کر دی گئی لیکن سودی نظام اپنے تفصیلی ڈھانچے، مقاصد اور طریق کار کے ساتھ، جیسا کہ اہل مغرب نے اسے اپنے نظریات کے مطابق بنایا تھا اصلاً باقی رہا جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ بنک جو اپنے آپ کو 'اسلامی' کہتے ہیں وہ اس شرحِ سود سے جو عام سودی کمرشل بنک دیتے ہیں، بہت زیادہ نیچے یا اوپر نہیں جاتے بلکہ اسی شرح سود کے قریب رہتے ہیں اور معمولی کمی بیشی کے ساتھ ان کا طریق کار وہی ہے جو کمرشل سودی بنکوں کا ہے، جیسا کہ علماے کرام نے اپنے متفقہ فتویٰ میں کہا ہے۔

اس وضاحت کے بعد اب سوال یہ ہے کہ کیا مغرب کے ہیومنزم، سیکولرزم اور کیپٹل ازم

www.KitaboSunnat.com

جیسے نظریات (جن کا خلافِ اسلام ہونا اوپر بدلائل ثابت کیا جا چکا ہے) پر مبنی سودی اور ملحدانہ معاشی نظام کے پورے ڈھانچے کو علی حالہٖ باقی رکھتے ہوئے اس کے ایک اہم جزو (بنکنگ) میں محض تسمیات کو تبدیل کرنے اور بعض سطحی قسم کی، برائے نام اور غیر مؤثر جزوی وفروعی تبدیلیوں کے ساتھ اسے 'اسلامی' بنانے کا عمل 'اجتہاد' کہلا سکتا ہے؟ اگر کوئی اسے اجتہاد سمجھتا ہے تو اسے یہ حق ہے کہ وہ ایسا سمجھے لیکن جس پس منظر کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اس میں ہماری طالب علمانہ رائے میں اس کے ڈانڈے تجدد سے جا ملتے ہیں۔

اگر کوئی مسلمان حاکم آج علماء وسکالرز اور ماہرین سے کہے کہ وہ ملک میں اسلام کا معاشی نظام نافذ کرنا چاہتا ہے، وہ اسے ایک مکمل تفصیلی ڈھانچہ بنا کر دیں تو یہ بلاشبہ اجتہاد ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلم حکمران یہ کہے کہ موجودہ معاشی نظام غیر اسلامی ہے، اس سارے کو بدل کر اسلام کے مطابق کر دو تو یہ بھی اجتہاد ہے۔ یا اگر کوئی مسلمان عالم یا سکالر اپنے طور پر یا کچھ لوگ باہم مل کر اسلام کے معاشی نظام کا ایک تفصیلی ڈھانچہ تجویز کرتے ہیں، خواہ کوئی حاکم اس پر عمل کرے یا نہ کرے، تو بلاشبہ یہ بھی اجتہادی کاوش ہے۔ لیکن اسلام اور مسلم دشمنوں کے بنائے ہوئے اور کفر والحاد پر مبنی ایک مکمل معاشی نظام کو ایک مسلمان ملک میں نافذ اور جاری رکھنے کو تسلیم کرنا اور اس کے ایک جزو کا محض نام تبدیل کر کے اور اس میں چند سطحی، غیر مؤثر اور معمولی برائے نام ظاہری تبدیلیاں کر کے، جن سے نہ اس کا مزاج بدلے اور نہ مقاصد اور طریق کار اسے اسلامی قرار دینا، یہ اجتہاد نہیں تجدد ہے۔ اجتہاد کی تعریف اور توضیح اوپر گزر چکی۔ تجدد یہ ہے کہ کوئی چیز واضح طور پر غیر اسلامی ہو اور اسے بہ تکلف اسلامی بنانے کی کوشش کی جائے۔ مغرب کا ہیومنزم، سیکولرزم اور کیپٹل ازم واضح طور پر غیر اسلامی ہیں، اُنہیں ان کے فریم ورک (مقاصد، ڈھانچے اور طریق کار) میں باقی رکھتے ہوئے ان کے کسی ایک جزو کو محض نام تبدیل کر کے اور معمولی لیپا پوتی سے اسے اسلام کا لباس پہنانا اور اسے اسلام کے مطابق قرار دینا یہ اجتہاد نہیں، تجدد ہے۔ یہ مغربیت کو تبدیل کر کے اسے مطابق اسلام بنانا نہیں بلکہ مغربیت کو اسلام کا لباس پہنانا اور اسلام کو مغربیت کے مطابق ڈھالنا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ تجدد کو ردّ کرنا شرعی تقاضا ہے کیونکہ یہ اِحداث فی الدین اور بدعت کی

www.KitaboSunnat.com

مثل ہے اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ «من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رَدّ»[14] (جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات نکالی، جو اس میں سے نہ ہو، وہ ناقابل قبول ہے) اور یہ بھی آپ ﷺ ہی کا فرمان ہے کہ «كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة» (دین میں ہر نیا اضافہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے) اور «كل ضلالة في النار»[15] (اور ہر گمراہی کا نتیجہ دوزخ ہے) لہٰذا وہ لوگ جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں وہ اِحداث فی الدین اور بدعت سے پرہیز کرتے ہیں اور تجدد کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔

۵ 'اسلامی بنکنگ' کا نظام کیوں کامیاب ہے؟

ممکن ہے بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال اُبھرے کہ اگر 'اسلامی بنکنگ' غیر اسلامی اور غلط ہے اور مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام اور اسلامی نظام کا یہ ملاپ انمل اور بے جوڑ ہے تو پھر یہ تجربہ کامیاب کیوں جا رہا ہے؟ فلاپ کیوں نہیں ہو گیا؟

اس حوالے سے یہ ذہن میں رہے کہ فکری لحاظ سے مغرب سے مرعوب، اسلام اور مغرب میں تلفیق ومصالحت کے علمبردار بعض مسلم معاشی ماہرین نے جب موجودہ بنکنگ کے نظام کے اسلامی نظام ہونے کا فتویٰ دے دیا تو اس کا عملی آغاز سعودی عرب کے حکمران خاندان کے ایک فرد نے کیا۔ یہ تجربہ کامیاب رہا اور اب دھڑا دھڑ 'اسلامی بنک' کھل رہے ہیں اور کامیاب کاروبار کر رہے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ بنک سچ مچ اسلامی ہوتے اور مغرب کے سودی اور سرمایہ دارانہ نظام کو چیلنج کرنے والے ہوتے یا اس کا بہتر متبادل بن سکنے کی صلاحیت کے حامل ہوتے تو طاقتور مغرب ان کو ایک لمحہ نہ برداشت کرتا اور ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا۔ اس کے برعکس وہ ان کی حوصلہ افزائی اور پشت پناہی کرتا ہے۔ ہم جب ۱۹۹۰ء میں امریکہ گئے تو واشنگٹن میں یہ سن کر حیران ہوئے تھے کہ ورلڈ بنک میں 'اسلامی بنکنگ' پر ایک تحقیقی سیل کام کر رہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ امیر مسلمان ملکوں اور حکمرانوں کا سارا سرمایہ مغرب (امریکہ و یورپ) کے بنکوں

---

[14] صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض أحكام الباطل

[15] صحیح ابن خزیمہ، جماع أبواب الاذان والخطبة، باب صفة خطبة النبي: ۱۴۳/۳

www.KitaboSunnat.com

میں پڑا تھا اور ساری دنیا جانتی ہے کہ مغرب کا بنکنگ کا نظام یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ یوں مسلمانوں کے سرمایہ کا بڑا حصہ تو پہلے سے یہودیوں کے قبضے میں تھا اور وہ اسے حسبِ منشا اور حسبِ پلاننگ اپنے مخصوص مقاصد (جلبِ اقتدار، افزائش اثر ورسوخ اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور جنگ) کے لئے استعمال کر رہے تھے۔ اس سے بڑھ کر مسلمانوں کی بے حمیتی اور بے عقلی کیا ہوسکتی ہے؟ لیکن مسلمانوں کے متوسط طبقے کے افراد کی بچتیں ان کی پہنچ سے باہر تھیں، کیونکہ وہ یہودیوں کے قائم کردہ کمرشل بنکوں کو سودی کہہ کر رد کر دیتے تھے اور اپنی بچتیں گھر میں رکھتے تھے یا اس سے معمولی تجارت کرتے تھے لیکن سودی بنکنگ میں ملوث نہیں ہوتے تھے۔ دنیا کے دیگر حصوں میں تو عوام کی بچتیں ان کے بنکوں میں آ ہی رہی تھیں۔ قربان جایئے، صہیونیوں کی اس فطانت پر کہ ان کے وضع کردہ بنکنگ کے نظام کے ذریعے ساری دنیا کے عوام کی بچتیں اور سرمایہ ان کی جیب میں چلا آتا ہے، جسے وہ حسبِ منشا استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا صیہونی منصوبہ سازوں نے نام نہاد اسلامی بنکوں کا ڈول ڈالا تاکہ مسلمانوں کا یہ اربوں کھربوں کا سرمایہ بنکوں میں آ جائے اور بالفظ دیگر ان کے پاس آ جائے کیونکہ دنیا کا سارا بنکنگ نظام (بشمول ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف) تو ان کا اپنا وضع کردہ ہے اور ان کے کنٹرول میں ہے۔ چنانچہ ان کی یہ حکمتِ عملی کامیاب رہی اور سادہ لوح (یا مغرب سے مرعوب اور لالچی) مسلمان دانشور، ماہرین معیشت، سرمایہ کار و بنکار اس جال میں پھنس گئے اور صہیونیوں کی منصوبہ بندی کا شکار ہو گئے۔

چنانچہ آج کل اس 'اسلامی بنکاری' کے ذریعے متوسط طبقے کے مسلمانوں کا وہ سرمایہ بھی کافی حد تک گردش میں آ گیا ہے جو پہلے بنکوں کی گرفت سے باہر تھا۔ مطلب یہ کہ ان نام نہاد 'اسلامی' بنکوں کی کامیابی کی وجہ یہ ہے کہ مغرب کا بنکوں کا نظام اور اس کے پیچھے بیٹھا یہودی ساہوکار یہ چاہتا ہے کہ یہ نظام کامیاب ہو اور مسلمانوں کے متوسط طبقے کی بچتوں اور کاروبار کا سارا سرمایہ ان کی تجوری میں آتا رہے جو کہ اب آنا شروع ہو گیا ہے۔ لہٰذا یہ نام نہاد اسلامی بنک کامیاب جا رہے ہیں۔ اگر یہ بنک سچ مچ اسلامی ہوتے اور مغرب کے سودی معاشی نظام کے لئے چیلنج ہوتے تو مغرب اُنہیں دنوں میں فیل کر دیتا اور ان کا سارا کاروبار ٹھپ ہو جاتا، لیکن چونکہ اس میں مغرب کے بنکنگ نظام کا اور ان کے پیچھے بیٹھے یہودیوں کا فائدہ ہے لہٰذا

www.KitaboSunnat.com

وہ اسلامی بنکوں کو ناکام نہیں ہونے دیتے بلکہ اُنہیں کامیاب بناتے ہیں تاکہ مسلمانوں کا بچھا کھچا سرمایہ بھی اس طریقے سے ان کے پاس پہنچتا رہے۔ یہ ہے حقیقت 'اسلامی' بنکوں کی اور ان کی کامیابی کی!!

.....☆.....

قارئین کرام! ہم نے موجودہ 'اسلامی بنکنگ' کی حقیقت اور شرعی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے جو پانچ مقدمات قائم کئے تھے، ہم نے سطورِ بالا میں 'الحمد للہ' اُنہیں ثابت کر دیا ہے یعنی یہ کہ:

اوّلاً: مغربی تہذیب جن بنیادوں پر کھڑی ہے یعنی ہیومنزم اور سیکولرزم، وہ خلافِ اسلام ہیں۔

ثانیاً: ان ملحدانہ فکری بنیادوں پر تشکیل پانے والا مغرب کا سرمایہ دارانہ معاشی نظام بھی خلافِ اسلام ہے۔

ثالثاً: مغرب کے ملحدانہ سرمایہ دارانہ نظام کے کسی ایک جزو میں اسلام کا پیوند لگا کر اسے اسلامی نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ یہ دو متضاد پیراڈائم سے تعلق رکھتے ہیں۔

رابعاً: یہ کہ مغرب کے ملحدانہ سرمایہ دارانہ نظام کے کسی ایک جزو میں تسمیات کی تبدیلی یا معمولی، غیر مؤثر، برائے نام اور سطحی تبدیلی سے اسے 'اسلامی' بنانے کا عمل اجتہاد نہیں تجدد ہے اور احداث فی الدین اور بدعت ہونے کی وجہ سے قابل ردّ ہے۔

خامساً: یہ نظام اس لئے کامیاب جا رہا ہے کہ یہودی اور اہل مغرب اپنے مالی مفاد کے لئے اسے کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں۔

اس وضاحت کے بعد اس 'اسلامی بنکنگ' کی شرعی حیثیت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ محض کفر کی ملمع کاری کر کے اسے مطابق اسلام ثابت کرنے کی مصنوعی اور بھونڈی کوشش ہے اور یہ آبِ حیات نہیں، محض سراب ہے۔

پس چہ باید کرد

ممکن ہے کسی قاری کے ذہن میں یہ سوال اب بھی باقی ہو کہ اگر موجودہ کمرشل سودی بنکوں کا نظام غیر اسلامی ہے تو اسے اسلامی کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسے

www.KitaboSunnat.com

اسلامی نہیں بنایا جا سکتا، لہٰذا اسے اسلامی بنانے کی کوشش ہی فضول ہے۔☆

جیسا کہ ہم نے تفصیل سے ذکر کیا کہ مغربی تہذیب کی فکری بنیادیں اسلام سے مختلف ہیں لہٰذا ان کا معاشی نظام بھی اسلام سے مختلف ہے۔ وہ ایک الگ دنیا ہے، الگ نظام ہے، اسے چھوڑیئے۔ ہماری اپنی ایک فکر ہے، اپنی ایک تہذیب ہے، ہمارا اپنا ایک معاشی نظام ہے، ہمیں اپنی فکر اور اپنی ضرورت کے مطابق اپنے ادارے خود بنانے چاہئیں۔ اجتہاد سے کام لینا چاہئے، تحقیق کرنی چاہئے۔ مغرب کو بھول جایئے، اسے رد کر دیجئے، اس کی نقالی چھوڑیئے۔

☆ فاضل مقالہ نگار کی مخلصانہ نگارشات کے اعتراف کے بعد، جہاں تک بنکنگ کو اسلامی بنانے کی بات ہے تو اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کی حالیہ ترقی اور مال وزر کی پیچیدہ اور متعدد سہولیات سے مزین ترسیلات کے اس دور میں ایک ایسے مالیاتی ادارے کی شدید ضرورت ہے جہاں لوگ اپنی رقوم کو جمع ومحفوظ کرنے اور دنیا بھر میں صرف وترسیل کی سہولت سے فائدہ اُٹھائیں۔ ادارۂ بنک میں اس حد تک تو کوئی خاص خرابی نہیں ہے لیکن اس جمع وترسیل کے ساتھ سود، جوا، غرر اور انشورنش وغیرہ جیسے لازمی کاروبار ضرور قابل گرفت ہیں۔

اس لحاظ سے اگر کوئی بنک غیر اسلامی سرگرمیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے اور محض رقوم کی حفاظت وترسیل کی سہولیات کی جائز فیس لے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن رقوم جمع کروانے والے لوگ اس سے مطمئن نہیں ہوتے بلکہ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ جمع شدہ رقم پر ان کو اضافہ بھی حاصل ہو، یہاں سے خرابی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس ضمن میں اگر کوئی بنک جمع شدہ رقم سے باقاعدہ کاروبار شروع کر کے اس سے حاصل ہونے والا فائدہ اپنے کھاتہ داروں میں شرعی اُصولوں کے مطابق تقسیم کرے، تو اس میں اُصولاً کوئی شرعی قباحت نہیں، البتہ فی زمانہ دنیا بھر میں ایک آدھ امکانی استثنا کے علاوہ اس نوعیت کا کوئی حقیقی اسلامی بنک موجود نہیں، اگر کوئی بنک یہ دعویٰ بھی کرتا ہے تو امر واقعہ میں سودی آلائشیں اور حیلہ سازیوں کی وجہ سے ان کا کاروبار مشکوک ہے۔ بنک دراصل محض روپے کی روپے کے ساتھ اس طرح کے کاروبار میں دلچسپی رکھتے ہیں جن میں ان کے لئے باقاعدہ کاروبار کی زحمت نہ ہو اور وہ کسی نقصان سے بھی محفوظ رہیں اور یہی خرابی کی اصل جڑ ہے۔ نیز دنیا بھر میں معاصر سودی بنکاری یا عالمی اقتصادی نظام اُنہیں اس گناہ میں شریک کرنے کا بنیادی سبب بنتے ہیں۔ اس لحاظ سے ڈاکٹر صاحب موصوف کا تبصرہ مروّجہ اسلامی بنکاری پر بالکل درست ہے۔

تاہم اسلامی بنکنگ اُصولاً ناممکن نہیں ہے لیکن اس کی نوعیت وماہیت مروّجہ بنکنگ سے مختلف ہے۔ زیادہ محتاط طریقہ یہ ہوگا کہ اس کو بنکاری کے بجائے کوئی اور نام دیا جائے تاکہ بنکاری کے ۳ صد سالہ تاریخی لوازمات سے بھی وہ ادارہ پاک رہ سکے۔ باقی تفصیلات کسی مستقل مضمون میں، ان شاء اللہ (ڈاکٹر حسن مدنی)

www.KitaboSunnat.com

اپنی عقل استعمال کیجئے۔

ہم نے ایک ہزار سال تک دنیا پر حکومت کی ہے تو میرٹ پر کی ہے۔ زمانہ بڑی سخت کسوٹی ہے، یہ کھوٹا سکہ چلنے نہیں دیتا۔ ہمارا معاشی نظام کل اگر اپنے عہد کی معاشی ضروریات پوری کرتا تھا تو آج کیوں نہیں کرسکتا؟ ہم یہ نہیں کہتے کہ ماضی کے معاشی نظام کو بعینہٖ آج نافذ کر دیا جائے۔ وہ یقیناً آج نہیں چل سکے گا کیونکہ حالات بدل گئے ہیں۔ لیکن اگر ہم اپنی عقل استعمال کریں، اجتہاد کریں، تحقیق کریں تو جس طرح کل ہم نے کل کے تقاضوں کے مطابق ایک تفصیلی معاشی ڈھانچہ تشکیل دیا تھا اور وہ قابل عمل ثابت ہوا اور زمانے کے گرم وسرد پر پورا اُترا۔ اسی طرح ہمیں چاہئے کہ اپنی آج کی ضرورتوں کے مطابق آج ایک نیا ڈھانچہ تشکیل دیں، وہ بھی ان شاء اللہ کام کرے گا۔ البتہ اس کام کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے:

ایک: یہ کہ مغربی فکر وتہذیب کو شعوری طور پر ردّ کر دیا جائے، اس کی نقالی کی روش چھوڑ دی جائے اور اپنے تصورات اور اداروں کو مغربی فکرو کے مطابق ڈھالنے کی کوشش نہ کی جائے۔

دوسرے: فکری حریت اور تخلیقی وحقیقی تحقیق (اوریجنل ریسرچ) اپنے پیراڈائم کے اندر رہتے ہوئے۔ یہ لائحہ عمل علماء اور سکالرز کے لئے ہے۔ اگر وہ یہ کریں گے تو نئے تصورات تخلیق کرنے اور ان کے مطابق نئے ادارے تجویز کرنے میں وہ یقیناً کامیاب ہو جائیں گے۔

جہاں تک اس پر عمل درآمد اور نئے اسلامی معاشی نظام کے قیام کا تعلق ہے تو اس کے لئے ایسے مسلم حکمرانوں کی ضرورت ہے جو مغرب کے ذہنی غلام نہ ہوں اور اسلامی نظام کے تحت زندگی بسر کرنے کا عزمِ صمیم رکھتے ہوں۔ یہ کام عوام، دعوت واصلاح کا کام کرنے والے اداروں، تحریکوں اور دینی سیاسی جماعتوں کے کرنے کا ہے۔ ہمیں تسلیم ہے کہ یہ دونوں کام آسان نہیں لیکن زندگی ـــــ بااُصول اور باوقار زندگی ـــــ بچوں کا کھیل اور سہل کوشوں کا حلوہ کب ہوتی ہے؟ یہ تو شیر صفت مردوں ہی کا شیوہ ہوتی ہے جو اپنی محنت شاقہ سے پہاڑوں کا جگر چیر کر دودھ کی نہریں نکال سکتے ہوں اور اُمت کو اس وقت ایسے ہی مردانِ کار کی ضرورت ہے۔

www.KitaboSunnat.com

اسلام اور مغرب

زاہد صدیق مغل

حصہ سوم

جدید اعتزال کے فکری ابہامات کا جائزہ

اسلام اور ہیومن رائٹس

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرما کر دنیا میں اپنی بندگی اور عبادت کی ذمہ داری سونپی، عبث پیدا کر دینے کی بجائے انسان کو مکلّف بنایا کہ وہ عمل کی دنیا میں اپنے آپ کو بہتر و احسن ثابت کرے۔ کامیاب انسان وہ ہے جو اس میزان پر پورا اُترا اور آخرت میں آگ سے بچ کر جنت کا مستحق ہوا۔ اس عظیم مقصد کے لئے اللہ نے انسان کو کسی رہنمائی کے بغیر چھوڑنے کی بجائے ایک مکمل نظامِ بندگی عنایت کیا، اپنے انبیا کو اللہ کی بندگی کا طریقہ سکھانے کی ذمہ داری عنایت فرمائی اور انبیا کی بعثت کو انسانیت پر احسانِ عظیم قرار دیا۔ مذکورہ بالا مقدمات براہِ راست چند قرآنی آیات کا مفہوم ہیں۔ ایک طرف اللہ کی بندگی ہے تو دوسری طرف قرآنِ کریم نے ہی خواہش نفس کی بندگی کی تمثیل بیان فرما کر اس کی شدید مذمت کی۔ خواہش نفس کی بندگی کے لئے شیطان دنیا میں موجود ہے اور اسے حیاتِ دوام عطا کی گئی ہے۔ انسانیت نے ماضی میں اس کا کوئی باضابطہ اور منظم طریقہ دریافت نہیں کیا تھا، لیکن مغرب کی 'تحریک احیاے علوم' کا کرشمہ یہ ہے کہ اس کے وجود میں آنے کے بعد انسانیت نے خواہش نفس کی بندگی کے شیطانی مقصد کی تکمیل کو باقاعدہ علم اور منضبط فن بنالیا۔ جس طرح اللہ کی بندگی (اسلام) کی متعدد تفصیلات قرآن وسنت میں موجود ہیں، اس طرح خواہش نفس کی بندگی کے بھی متعدد صغرے کبرے قائم کرلئے گئے۔ ایسا ماضی میں بھی ہوا تھا، لیکن انسانیت کی حالیہ ترقی نے اسے بامِ عروج تک پہنچا دیا۔ آج ہر دو نوعیت کی بندگیوں کے مابین شدید کشمکش کی کیفیت جاری ہے جسے قرآن حق وباطل کی کشمکش قرار دیتا ہے۔ مغربی تہذیب کی قوت یہ ہے کہ خواہش نفس کا داعیہ ہر انسان کے اندر موجود ہے، جس کے لئے اسے کسی بیرونی تلقین وترغیب کی ضرورت نہیں، جبکہ اللہ کی بندگی بھی انسان کی سرشت میں داخل ہے لیکن بزبانِ رسالت «حُفّت الجنة بالمكاره» جنت کو اپنے اوپر کنٹرول رکھنے جیسی چیزوں سے بھر دیا گیا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں انسانیت کی اپنی خواہشات کی پیروی کے جدید رویوں کا اسلام سے ایک تقابل پیش کیا جارہا ہے، جس کی تیسری قسط پیش خدمت ہے۔ (ڈاکٹر حسن مدنی)

'ہیومن رائٹس' کا مفہوم

زیرِ مطالعہ مضمون کے حصہ دوم میں مغربی تصوراتِ آزادی ومساوات کی وضاحت بیان کی

www.KitaboSunnat.com

گئی تھی جن کے مطابق آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ خیر وشر کی تعیین ہر فرد کا حق ہے، نیز افراد کے اختیار کردہ تمام تصوراتِ خیر مساوی معاشرتی اَقداری حیثیت کے حامل ہیں۔ ہیومن رائٹس آزادی کے اس مجرد تصور کا قانونی اظہار ہیں جو آزادی اور مساوات کے اُصولوں پر ریاستی اقتدار کی تشکیل کو ممکن بناتے ہیں۔اس فلسفے کے مطابق:

* ہر ہیومن کو چند ایسے حتمی و آفاقی (absolute) حقوق حاصل ہوتے ہیں جو ہر قسم کی مابعدالطبعیات اور تصورِ خیر سے ماقبل اور ماورا ہیں اور جو اپنا جواز از خود رکھتے ہیں کہ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہیں۔
* چونکہ یہ حقوق ہر قسم کے تصورِ خیر سے ماورا ہیں لہٰذا انہی کی بنیاد پر دیگر تمام تصوراتِ خیر اور معاشروں کو جانچا جانا چاہئے۔
* اور ان حقوق کو ہیومن رائٹس سے ماورا کسی دوسرے قانون، روایت یا مذہب وغیرہ کے نام پر کالعدم قرار نہیں دیا جاسکتا، یعنی یہ حقوق ناقابل ردّ(unchallengeable) حقوق ہیں۔ ان حقوق میں سرفہرست حقوق تین ہیں:

(۱) زندگی کا حق، یعنی یہ تصور کہ انسان اپنے بدن اور زندگی کا مالک اور خودمختار ہے۔

(۲) اظہارِ آزادیٔ ضمیر کا حق، یعنی یہ تصور کہ فرد اظہارِ ذات کے تمام طریقوں کا مکلّف ہے، دوسرے لفظوں میں اسے اپنی مرضی کے مطابق خواہشات پورا کرنے کا حق حاصل ہے۔

(۳) ملکیت کا حق، یعنی یہ تصور کہ فرد اپنی ملکیت کو سرمایہ دارانہ ملکیت (کارپوریشن) میں ضم کردینے کا مکلّف ہے۔

یہ ہیومن رائٹس درحقیقت وہ قانونی ڈھانچہ فراہم کرتے ہیں جو:

* ایک طرف ہر فرد کے اس حق کو ممکن بناتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل کرسکے (یعنی اظہارِ ذات کے زیادہ سے زیادہ طریقوں کو اختیار کرسکے) یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے کی عین ویسی ہی آزادی میں رکاوٹ نہ بنے، اور
* دوسری طرف ہر فرد کے اس مساوی حق کو ممکن بناتا ہے کہ وہ دوسروں کو اپنی آزادی اس طرح استعمال کرنے پر مجبور کرسکے کہ جس سے وہ دوسرا شخص اس فرد کی آزادی میں

www.KitaboSunnat.com

مداخلت نہ کر سکے۔ مثلاً اگر ایک باپ اپنی بیٹی کو یونیورسٹی میں رات کے کسی فنکشن میں جانے سے منع کرے تو اس بیٹی کو اس بات کا حق حاصل ہونا چاہئے کہ وہ پولیس کو بلوا کر اپنے باپ کو جیل بھجوا دے اور خود یونیورسٹی جا سکے۔ اسی طرح اگر ایک باپ اپنی اولاد کو نماز نہ ادا کرنے پر سرزنش کرے تو اوّلاد کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ باپ کو اپنی آزادی میں مداخلت کرنے سے روک سکیں۔ ①

اسلام اور ہیومن رائٹس☆

اسلامی نکتہ نگاہ سے ہیومن رائٹس کی حیثیت جاننے کے لئے چند باتوں کی تنقیح ضروری ہے:

ہیومن رائٹس اور حقوق العباد کا فرق: اسلامی تعلیمات وتصوراتِ زندگی کو مغربی تناظر میں پہچاننا اور تلاش کرنا مسلم مفکرین کی بڑی غلطی ہے۔ ان غلطیوں میں سے ایک بنیادی اور اہم ترین غلطی حقوق العباد کو ہیومن رائٹس کے تناظر میں سمجھنا ہے۔ عام طور پر ہیومن رائٹس کا ترجمہ غلط طور پر 'انسانی حقوق' کر کے نہ صرف اُنہیں حقوق العباد کے ہم معنی تصور کرلیا جاتا ہے

☆ مضمون کے اس حصے کی تیاری کے لئے راقم الحروف ڈاکٹر عبدالوہاب سوری اور مولانا محبوب الحسن کی رہنمائی کا شکرگزار ہے۔

① ذاتی زندگی صرف اور صرف فرد سے متعلق ہے۔ اگر اس زندگی کا تعلق بیٹے، بیوی، بہن، باپ سے ہو تو یہ زندگی ذاتی نہیں رہے گی بلکہ اجتماعی زندگی (Public Life) کہلائے گی۔ اس دائرہ کار کے شروع ہوتے ہی فرد کی آزادی ختم ہوجائے گی اور ہیومن رائٹس کے قانون کا اطلاق شروع ہوجائے گا جس کے مطابق وہ اپنے بچوں اور بیوی کے معاملات میں بھی کسی قسم کی مداخلت کا حق نہیں رکھتا۔ اسی لیے مغرب میں اگر باپ بچے کو ڈانٹ دے یا باہر جانے کی اجازت نہ دے تو بچہ پولیس کو طلب کرلیتا ہے کہ باپ میری ذاتی زندگی میں مداخلت کر رہا ہے اور بیویاں ہر سال عدالتوں سے شوہر کے خراٹوں پر طلاق لیتی ہیں کہ شوہر کے خراٹوں سے ان کی پرسکون نیند کی آزادی مجروح ہوئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں سیکولرازم میں ذاتی زندگی صرف "I" (میں) تک محدود ہے، اس کے سوا تمام زندگی اجتماعی یعنی پبلک لائف ہے۔ اس میں ریاست کے قوانین کے سوا کسی کو مداخلت کا حق نہیں، ایسی مداخلت بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے اور اسی کا نام بنیادی حقوق ہے جس کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری ہے۔ جمہوری ریاست درحقیقت جس قانون کو بالاتر تسلیم کرتی ہیں وہ یہی ہیومن رائٹس ہی ہیں، نیز اس کا مقصدِ وجود ہی ہر فرد کو اپنی اپنی خواہشات کے مطابق زندگی گزارنے کے مساوی مواقع فراہم کرنا ہوتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

بلکہ یہ ثابت کرنے کی کوشش بھی کی جاتی ہے کہ ہیومن رائٹس سب سے پہلے اسلام نے دنیا کو عطا کیے نیز خطبہ حجۃ الوداع میں حضور اکرم ﷺ نے اِنہی حقوق کی تعلیمات دی تھیں۔ العیاذ باللہ!

ان دونوں کا فرق ایک آسان مثال سے سمجھا جا سکتا ہے (لفظ 'ہیومن' کے معنی کی تفصیلی بحث آگے آ رہی ہے)۔ فرض کریں ایک دستوری جمہوری ریاست کے دو مرد آپس میں میاں بیوی بن کر رہنا چاہتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اُنہیں ایسا کرنے کا 'حق' ہے یا نہیں۔ اگر اس سوال کا جواب کسی مذہب (اسلام، عیسائیت وغیرہ) کے عالم سے پوچھا جائے تو وہ اس کا جواب ارادۂ خداوندی میں ظاہر ہونے والے خیر (ارادۂ شرعیہ) یعنی اللہ کی کتاب کی روشنی میں دے گا۔ مثلاً ایک مسلمان عالم یہ کہے گا کہ چونکہ قرآن یا سنت میں اس کی ممانعت ہے لہٰذا کسی بھی فرد کو ایسا کرنے کا 'حق' حاصل نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ شخص جو 'ہیومن رائٹس' کو اعلیٰ ترین قانون مانتا ہو، اس فعل کو اس دلیل کی بنا پر جائز قرار دے گا کہ چونکہ ہر شخص کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ اپنی خوشی کا سامان اپنی مرضی کے مطابق جیسے چاہے مہیا کرلے، لہٰذا اگر دو مرد آپس میں شادی کر کے اپنی خواہش پوری کرنا چاہتے ہیں تو اُنہیں ایسا کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ یہی وہ دلیل ہے جس کی بنیاد پر مغربی دنیا میں دو مردوں کی شادی،

② ہیومن رائٹس کی اسلامی تعبیر کے امکانات کی حمایت کرنے والے مسلم مفکرین اس بات کو بنیاد بناتے ہیں کہ مختلف ممالک میں ہیومن رائٹس کی تشریحات میں اختلاف پایا جاتا ہے (مثلاً ہیومن رائٹس پر مبنی بعض دستوری جمہوری ریاستوں میں جنسی تعلقات کی بہت سی صورتوں وغیرہ کی اجازت نہیں دی جاتی) جس سے ثابت ہوا کہ ہیومن رائٹس کی قرآنی تعبیر پیش کرنا ممکن ہے۔ البتہ یہ دلیل بالکل غلط ہے، اس میں شک نہیں کہ ابتداءً ہر ملک اور قوم اپنے تئیں ہیومن رائٹس کو اپنے مذہبی، روایتی و ثقافتی خیر کے فریم ورک کے ساتھ ہم آہنگ کر کے اپنانے کی کوشش ہی کرتی ہے مگر جیسا کہ واضح کیا گیا کہ ہیومن رائٹس 'فرد کے حق کی خیر پر فوقیت' کی حفاظت کرتی ہے لہٰذا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ روایتی جکڑ بندیاں بے معنی ہو کر تحلیل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ مثلاً ساٹھ کی دہائی میں امریکہ کے سرکاری ٹی وی چینل اور موجودہ پاکستان کے پی ٹی وی کی ثقافتی حکمتِ عملی میں کوئی خاص فرق نہ تھا، مگر وقت گزرنے کے ساتھ وہ عریانی و فحاشی کی بلندیوں کو چھونے لگا۔ درحقیقت ہیومن رائٹس فریم ورک کے اندر فرد کے پاس ہمیشہ یہ موقع موجود رہتا ہے کہ وہ خیر کی کسی مخصوص مروّجہ تعبیر اور زندگی گزارنے کے کسی مخصوص طریقے کے خلاف بغاوت کر کے اپنے اظہارِ آزادی کے حق کو استعمال کرلے اور ہیومن رائٹس پر مبنی ریاست بالآخر اس کے اس قانونی حق کو ماننے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

زنا بالرضا اور اَغلام بازی وغیرہ کو قانونی جواز عطا کر دیا گیا ہے۔ ایک دستوری جمہوری ریاست میں افراد کے پاس ہمیشہ یہ حق محفوظ ہوتا ہے کہ وہ ارادۂ خداوندی کو پس پشت ڈال کر ہیومن رائٹس کی آڑ میں عملِ لواطت کا جواز حاصل کرلیں۔ ⑦

اس مثال سے واضح ہو جانا چاہئے کہ 'حقوق العباد' کا جواز اور اس کی ترتیب تو ارادہ خداوندی سے طے ہوتی ہے یعنی ایک انسان (عبد) کو کسی عمل کا حق ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کتاب وسنت سے ہوتا ہے، اس کے مقابلے میں ہیومن رائٹس کا جواز انسان کی خودمختاریت کے دعوے سے نکلتا ہے۔ چنانچہ ہر دو حقوق میں اہم فرق سرچشمہ اور مصدر کا ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے 'حق زندگی' فرد کا کوئی ایسا حق نہیں جس کا جواز ماورائے اسلام کسی فطری قانون سے نکلتا ہو بلکہ اس کا ماخذ کتاب وسنت کی نصوص کے سوا اور کچھ نہیں۔ چونکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے فرد اپنی زندگی کا مالک نہیں، بلکہ یہ اس کے ربّ کی عنایت ہے، اسی لئے فرد اپنی زندگی کو جیسے وہ چاہے، ترتیب دینے کا حق بھی نہیں رکھتا۔ چنانچہ نہ تو ہم یہ مانتے ہیں کہ انسان قائم بالذات ہے (کہ وہ اصلاً عبد ہے) اور نہ ہی اس کے کسی ایسے ماورائے اسلام حق کو مانتے ہیں جس کا جواز ارادۂ خداوندی سے باہر ہو اور جس کے مطابق اسے اظہارِ ذات اور اپنی خواہشات کی ترجیحات طے کرنے اور اُنہیں حاصل کرنے کا اخلاقی اور قانونی حق حاصل ہو، بلکہ اس کا حق بس اتنا ہی ہے جو اس کے خالق نے اسے اپنے نبی کے ذریعے بتادیا اس کے علاوہ وہ جو بھی فعل سرانجام دے گا، نافرمانی اور ظلم کے زمرے میں شمار ہوگا اور جسے ختم کردینا ہی 'عدل' کا تقاضا ہے۔ انسان کا کوئی ایسا ذاتی حق ہے ہی نہیں کہ جس کا جواز ازخود اس کی اپنی ذات ہو چہ جائیکہ وہ حق ناقابل تنسیخ بھی ہو۔ ہیومن رائٹس کی بالادستی ماننے کا مطلب ہی انسان کے 'حق' کو 'خیر' پر فوقیت دینا اور اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ انسان اپنا حاکم خود ہے نیز 'خیر وشر' کا معیار خواہشاتِ انسانی ہیں نہ کہ ارادۂ خداوندی۔

یاد رکھنا چاہئے کہ حقوق وفرائض کی تمام تر تفصیلات کسی مخصوص مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوا کرتی ہیں اور مقصد یا تصورِ خیر بدل جانے سے حقوق کی تفصیلات بھی بدل جایا کرتی ہیں۔ شارع کا اپنے بندوں کو حقوق عطا کرنے کا مقصد 'مقاصد الشریعہ' کے حصول کو ممکن بنا کر آخرکار

www.KitaboSunnat.com

اپنے بندوں کے لئے مراسم بندگی بجا لاتے رہنے کو ممکن بنانا ہے جبکہ ہیومن رائٹس کا فریم ورک فرد کو ان حقوق کا مستحق گردانتا ہے جن کے ذریعے وہ اپنی خودارادیت کی زیادہ سے زیادہ تکمیل کر سکے۔ چونکہ ہیومن رائٹس کا فریم ورک مقاصد الشریعہ کے حصول اور فروغِ عبدیت کی بالادستی کو اہم ترین انفرادی و اجتماعی مقاصد کے طور پر قبول نہیں کرتا لہٰذا وہ شریعت کی بیان کردہ حقوق کی تفسیر و تحدید کو بھی ماننے سے انکار کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں یہ فریم ورک حقوق کی وہ تفسیر بیان کرتا ہے جن کے ذریعے مساوی آزادی کے اُصول پر ایسی معاشرتی تشکیل کو ممکن بنانا ہے جہاں ہر فرد اپنی خواہشات کا زیادہ سے زیادہ مکلّف ہوتا چلا جائے۔ ایسی ریاست جو ہیومن رائٹس قانون کی پابند ہو، ہرگز مقاصد الشریعہ کی حفاظت و غلبے کا باعث نہیں بن سکتی۔ اس بنیادی مقدمے کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اگلی بحث سمجھنا آسان ہو جائے گی۔

ہیومن رائٹس اور جمہوری ریاست کی غیر جانبداریت کا دعویٰ: بادی النظر مسلم مفکرین اس دھوکے کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ہیومن رائٹس کسی آفاقی، عقلی اور غیر جانبدار تصورِ خیر کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس دھوکے کی وجہ یہ تاثر ہے کہ ہیومن رائٹس فریم ورک میں ہر فرد کے لئے جو وہ چاہنا چاہے، چاہنا ممکن ہوتا ہے۔ مگر یہ بات واضح ہے کہ ہیومن رائٹس فریم ورک ہرگز بھی خیر کا کوئی غیر اَقداری (neutral) تصور فراہم نہیں کرتا بلکہ یہ فریم ورک بھی خیر کے ایک مخصوص تصور کو محض بطورِ مفروضہ قبول کرتا ہے اور جو بھی ریاست اس فریم ورک کو بالاتر قانون کی حیثیت سے قبول کرتی ہے، یہ فریم ورک ریاست سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ خیر کی اس مخصوص تشریح کو فرد و معاشرے پر غالب کرے۔ سیکولر طبقہ مذہبی تصورِ خیر کو جانبدار قرار دے کر اسے اجتماعی زندگی سے خارج کر دینا چاہتا ہے☆، یہ طبقہ لوگوں کو یہ دھوکہ دینے کی کوشش کرتا

☆ اسلام نے جو حیثیت 'اقامتِ دین' کو مسلم معاشرے میں دی ہے، اور اس کو دیگر تمام ادیان پر غالب قرار دیا ہے، اسی بنا پر کسی بھی مسلم معاشرے میں اللہ کی بندگی (مسلمانی) کرنے والوں کو تو اپنا انفرادی واجتماعی نظام قائم کرنے کا پابند کیا جاتا ہے، اور اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کو ترغیب وتلقین کے علاوہ ریاستی جبر وسزا کے ذریعے بھی اسلامی احکامات پر عمل پیرا ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ جبکہ دیگر ادیان کے حاملین پر اسلام جبر واِکراہ کا قائل نہیں، اور اسلام اُنہیں اپنی ذاتی زندگی میں اپنے دین پر عمل کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے، جبکہ دارالاسلام میں رہنے کی بنا پر وہ جزیہ کی ادائیگی کے ذمہ دار ٹھہرتے ہیں =

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ چونکہ مذہب کی بنیاد پر قائم شدہ ریاست لازماً جانبدار ہوتی ہے یعنی وہ ریاست خیر کی ایک مخصوص مذہبی تعبیر کے علاوہ دیگر تمام تعبیرات کو باطل قرار دے کر مغلوب کر دیتی ہے، لہٰذا مذہب کو ریاستی معاملات سے الگ رکھ کر ایسے قانونی نظام پر ریاست کی تشکیل کی جانی چاہئے جو خیر کے معاملے میں غیر جانبدار ہو کر تمام تصوراتِ خیر کو پنپنے کے مواقع فراہم کرے، اور ایسا قانونی نظام ہیومن رائٹس فریم ورک فراہم کرتا ہے۔

مگر خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ مغرب اور سیکولر طبقے کا یہ دعویٰ کہ لبرل سیکولر ریاست خیر کے معاملے میں غیر جانبدار اور اسی لئے Tolerant ہوتی ہے، ایک جھوٹا دعویٰ

= البتہ ان کے اجتماعی دین مثلاً ظاہری عبادات، شعارات کو نمایاں کرنا، اپنے دین کی تلقین وتبلیغ کرنا، اس کی بنا پر سزا وجزا کا نظام اور تعلیم وتبلیغ کی اجازت گوارا نہیں کی جاتی۔ اگر اس اسلامی تصور کا تقابل موجودہ مغربی ریاست سے کریں تو وہاں انسانی حقوق ایک غالب اور انفرادی واجتماعی 'دین' ہے جس کی نگرانی ریاستی پولیس کو سونپی جاتی ہے، جبکہ اسلام سمیت دیگر جملہ اَدیان کو یہاں وہی حیثیت دی جاتی ہے جو دارالاسلام میں اسلام دیگر مذاہب کو دیتا ہے کہ وہ اسے اپنی ذاتی زندگی کی حد تک ہی اختیار کر سکتے ہیں۔ سادہ الفاظ میں اسلام اپنی ریاست (دارالاسلام) میں جو حیثیت غیر اَدیان کو دیتا ہے کہ ان کے حاملین ذاتی زندگی کی حد تک اپنے دین پر عمل پیرا ہونے کے مجاز ہیں، بعینہٖ جدید مغربی ریاست جملہ اَدیان کو یہی حیثیت اپنی ریاست میں دیتی ہے کہ وہاں جملہ ادیان ونظریات پر ذاتی زندگی کی حد تک ہی عمل کرنا گوارا ہوسکتا ہے، اور مرکزی دین ہیومنزم اور انسانوں کی حاکمیت پر مبنی ہوگا۔

مزید برآں اسلام کا تصور امر بالمعروف ونہی عن المنکر مسلمانوں سے ایک اہم ترین تقاضا ہے، حتی کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے اسے اسلام کا چھٹا رکن قرار دیا ہے۔ دارالاسلام کے اس تصور کا جدید ریاست میں پولیس کے کردار سے تقابل کریں تو پتہ چلتا ہے کہ جس طرح پولیس کا فرض ہے کہ انسانوں کے باہمی اشتراک (پارلیمنٹ) سے بنائے ہوئے قوانین کی خلاف ورزی کی نگہداشت کرے، اسی طرح اللہ کی بندگی کے لئے قائم ہونے والی ریاست میں اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی کرنے والوں کی نگہداشت کرنا نہ صرف ہر مسلمان کا فرض ٹھہرتا ہے بلکہ اسلامی ریاست کا بھی فرض ہے کہ اللہ کے قوانین کی مخالفت کرنے والوں کی باز پرس کرے اور شرعی واسلامی احکامات وہدایات کی خلاف ورزی کو روکے اور یہی امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے یعنی شرعی قوانین کی پابندی کی نگرانی اور تلقین کرنا۔ اس لحاظ سے بھی غور کیا جائے تو اسلامی ریاست اور جدید مغربی ریاست اپنے مقصد وہدف کے لحاظ سے باہم متضاد ہیں۔ لیکن اس تضاد کا فہم اہل بصیرت کو ہی حاصل ہے!! (ڈاکٹر حسن مدنی)

www.KitaboSunnat.com

ہے کیونکہ خیر کے معاملے میں غیر جانبداری کا رویہ ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ ہیومن رائٹس کے مطابق اصل تصورِ خیر آزادی یعنی 'خیر فرد کا حق ہونا ہے'، دوسرے لفظوں میں اصل خیر تمام تصوراتِ خیر کا مساوی ہونا ہے۔ اس تصورِ خیر کے مطابق خیر فرد کی محض اس 'صلاحیت' کا نام ہے کہ جو اسے اس کی 'ہر چاہت' حاصل کرسکنے کا مستحق بنا دے، ماورائے اس سے کہ وہ چاہت کیا ہے۔③

③ ہیومن یا سرمایہ دارانہ انفرادیت کیا چاہتی ہے؟ یہ کہ 'میں جو چاہنا چاہوں چاہ سکوں' (preference for preference itself) نہ کہ کوئی مخصوص چاہت، کیونکہ جونہی میں کسی مخصوص چاہت کو اپنی ذات کا محور ومقصد بناتا ہوں تو آزادی ختم ہوجاتی ہے جسے ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری خوبصورت پیرائے میں یوں کہتے ہیں کہ "his self can possess ends but cannot be constituted by them" ۔اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ مغرب کے پاس خیر کا کوئی substantive (مثبت، منجمد یا حقیقی) تصور سرے سے موجود ہی نہیں، کیونکہ جس آزادی کو وہ خیر اعلیٰ گردانتے ہیں، اس کا مافیہ یا مشمول کچھ نہیں بلکہ وہ عدمِ محض ہے۔ یہاں خیر 'کوئی مخصوص چاہت' نہیں بلکہ 'کسی بھی چاہت کو اختیار کرسکنے کا حق' ہے۔ دوسرے لفظوں میں مغربی تصورِ خیر درحقیقت عدمِ خیر (absence of any good)، یعنی ہر خیر کی نفی کا نام ہے اور یہ عدمِ خیر ہی ان کے خیال میں خیر اعلیٰ ہے۔ انہی معنی میں مغربی تصورِ خیر اصلاً شرِ محض (absolute evil) ہے، کیونکہ شر درحقیقت عدمِ خیر ہی کا نام ہے، اس کا اپنا علیحدہ کوئی وجود نہیں۔ یہ مقام ان مسلم مفکرین کے لئے لمحہ فکریہ ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی تہذیب کی اصل (Inner core) خیر پر مبنی ہے اور اس کے ظاہر میں کچھ برائیاں اس لئے در آئی ہیں کہ اس خیر کو برتنے میں انسانی کوتاہیاں ہوگئیں۔ اسی طرح معاملہ یہ بھی نہیں کہ اسلام کا ایک تصورِ خیر ہے اور مغرب کے پاس کوئی دوسرا، بلکہ مغربی تہذیب میں کسی 'بلند اور راست' مقصد کا وجود ہی سرے سے ناممکن ہے کیونکہ جس شے کو وہ خیر سمجھتے ہیں، وہی اصل شر ہے۔ جسے وہ عدل سمجھتے ہیں، وہی اصلاً ظلم ہے اور اسی لئے نامور مغربی مفکر اور نومسلم مترجم قرآن مارماڈیوک پکتھال فرمایا کرتے تھے کہ مغربی تہذیب درحقیقت تہذیب نہیں 'بربریت' (savegery) یعنی تہذیب کی ضد ہے، کیونکہ اصلاً تو تہذیب صرف اسلام ہی ہے۔

④ درحقیقت اس دنیا میں غیر جانبداریت (neutralism) بمعنی 'عدمِ رائے' (no position) کا کوئی وجود نہیں، بلکہ غیر جانبداری کے دعویٰ کا اصل مطلب ہوتا ہے 'کسی اُصول کے مطابق رائے دینا یا فیصلہ کرنا'۔ جو لوگ اس معنی میں غیر جانبداری کا دعوی کرتے ہیں گویا وہ تمام اُصولوں سے ماورا کہیں خلا میں معلق ہوکر اپنی رائے دے رہے ہیں؛ فی الحقیقت وہ خوش فہمی کا شکار ہیں، غیر جانبدار (neutral) ہونے کا دعوی کرنا محض فریب ہے، اس دنیا میں ایسا کوئی مقام نہیں جہاں پہنچ کر انسان غیر جانبدار =

www.KitaboSunnat.com

معلوم ہوا یہ کہنا کہ 'تمام تصوراتِ خیر مساوی ہیں' غیر جانبداری کا رویہ نہیں بلکہ بذاتِ خود خیر کا ایک مستقل مابعد الطبیعیاتی تصور ہے کہ 'اصل خیر تمام تصوراتِ خیر کا مساوی ہونا ہے'، اور ہیومن رائٹس پر مبنی جمہوری دستوری ریاست لازماً اسی تصور خیر کے تحفظ اور فروغ کی پابند ہوتی ہے۔[۴]

مساوی خیر کے اس تصور پر ایمان لانے کے بعد اسلام کے 'الحق' ہونے کا دعویٰ ایک مضحکہ خیز دعوی بن کر رہ جاتا ہے۔ ہیومن رائٹس پر ایمان لانے کا تقاضا یہ مان لینا ہے کہ اسلام ہی واحد حق نہیں ہے بلکہ تمام مذاہب اور نظریہ ہائے زندگی بھی اتنے ہی حق پر مبنی ہیں جتنا اسلام، لہٰذا مسلمانوں کو اسلام کی دوسرے مذاہب اور نظام ہائے زندگی پر برتری کے دعوے سے دستبردار ہو جانا چاہئے اور خصوصاً اقامتِ دین کی کوششیں ترک کر دینی چاہئیں کیونکہ اسی مذہبی برتری کی سوچ کے نتیجے میں مذہبی انتہا پسندی کو فروغ ملتا ہے۔[۵]

ہیومن رائٹس پر معاشرتی تشکیل تب ہی ممکن ہے جب افراد رواداری کے مغربی فلسفے پر

= ہوجائے۔ مثلاً یہ کہنا کہ 'فلاں مسئلے میں آپ مسلمان کے بجائے غیر جانبدار ہوکر غور کریں' محض بے وقوفی ہے۔ کیا اسلام سے باہر نکل کر انسان کافر ہوتا ہے یا غیر جانبدار؟ کیا کفر بذاتِ خود ایک جانبدارانہ مقام نہیں؟ ائمہ علم الکلام نے المنزلة بين المنزلتين کے عقیدے کی بیخ کنی اسی گمراہی سے اُمت کو بچانے کے لیے فرمائی۔ عبدیت سے باہر نکل کر انسانی عقل غیر جانبدار نہیں بلکہ خواہشات اور شیاطین کی غلام ہو جاتی ہے جیسا کہ ارشاد ہوا: ﴿فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ أَهْوَائَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّن اللهِ﴾ (القصص:۵۰) (پس اے رسول! اگر وہ آپ کے ارشاد کو قبول نہ کریں تو جان لو کہ وہ اپنی خواہشاتِ نفس کے پیروکار ہیں اور اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو خدائی ہدایت کے بجائے اپنی خواہشات کی پیروی کرے)۔ مزید فرمایا: ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ﴾ (الکہف:۲۸) (اس شخص کی اطاعت نہ کر جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جس نے اپنے خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے)، نیز ﴿وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَاناً فَهُوَ لَهُ قَرِيْنٌ﴾ (الزخرف:۳۶) (جو کوئی رحمٰن کے ذکر سے منہ موڑتا ہے تو ہم اس کے اوپر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اسکا دوست بن جاتا ہے)

⑤ اسی فکر سے متاثر ہو کر وحید الدین خاں اور ان کے فکری ہم نوا جاوید احمد غامدی افضلیت بین الانبیاء اور اسلام کی دوسرے مذاہب پر کاملیت کے اعتبار سے برتری وغیرہ کے اجماعی مسائل کے خلاف عوام الناس کے دلوں میں وسوسے پیدا کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس طرزِ فکر کے پیچھے کارفرما فلسفہ یہ ہے!

www.KitaboSunnat.com

ایمان لائیں۔ (فلسفہ Tolerance کی وضاحت کے لئے دیکھئے مضمون کا حصہ دوم)

یہیں سے اس فریب کی حقیقت بھی کھل جانی چاہئے کہ لبرل جمہوری ریاست کوئی tolerant ریاست ہوتی ہے کیونکہ اپنے دائرۂ عمل میں یہ ریاست صرف اُنہی تصوراتِ خیر کو برداشت کرتی ہے جو اس کے اپنے تصورِ خیر (یعنی تمام تصوراتِ خیر کی مساوات و لایعنیت) سے متصادم نہ ہوں، اور ایسے تمام تصوراتِ خیر جو ہیومن رائٹس سے متصادم ہوں یا جو کسی ایک چاہت کو بقیہ تمام چاہتوں سے بالاتر سمجھ کر اس کی برتری کے قائل ہوں، ان کی بذریعہ قوت بیخ کنی کر دیتی ہے، جس کی واضح مثال طالبان کی ریاستِ اسلامیہ کا بذریعہ قوت خاتمہ ہے کہ یہ ریاست مخصوص مذہبی تصورِ خیر کی برتری کا دعویٰ کرتی تھی اور اسے دیگر تمام تصوراتِ خیر پر غالب کر دینے کے لئے قائم کی گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی علاقے میں بسنے والے لوگ اپنی روایت کے مطابق 'ونی کرنے' یا مذہبی بنیادوں پر 'ستی کرنے' کو خیر سمجھ کر اپنانا چاہتے ہوں تو ہیومن رائٹس قانون اُنہیں ان اعمال کی اجازت نہیں دیتا کہ یہ اعمال بنیادی انسانی حقوق کے فلسفے سے متصادم ہیں۔ اسی طرح فرض کریں کہ ایک مسلمان لڑکی کسی کافر سے شادی کرنا چاہے تو ظاہر ہے اسلامی معاشرہ و ریاست ہرگز اس کی اجازت نہیں دے گی، مگر چونکہ ہیومن رائٹس قانون اس فعل کو فرد کا حق قرار دیتا ہے، لہٰذا لبرل ریاست میں افراد کو اس فعل کی قانونی اجازت اور ریاستی سرپرستی حاصل ہوگی۔ اگر مسلم اجتماعیت اس لڑکی پر اپنا تصورِ خیر مسلط کرنے کی کوشش کرے گی تو لبرل ریاست ان کے خلاف کاروائی کرکے ان کی سرکوبی کرنے کی پابند ہوگی۔ چنانچہ ہیومن رائٹس فریم ورک کے تصورِ خیر کے مطابق 'خیر' کی تعریف تو بدل سکتی ہے مگر خیر کی تعریف متعین کرنے کا 'انسانی حق' بہرحال ناقابل تبدیل ہے۔

چونکہ ہیومن رائٹس 'فرد' کے حقوق کا تحفظ کرتے ہیں نہ کہ کسی گروہ کے، لہٰذا لبرل جمہوری معاشروں میں سوائے فرد کے تمام اجتماعیتیں (مثلاً خاندان وغیرہ) لازماً تحلیل ہو جاتی ہیں اور جو واحد شے بچ رہتی ہے، وہ ہے اکیلا 'فرد' یا صرف ایسی اجتماعیتیں جو افراد کی اغراض (self-interest) پر مبنی تعلقات سے وجود میں آتی ہیں۔ درحقیقت لبرل معاشروں میں

www.KitaboSunnat.com

ریاست جس نظامِ زندگی کو جبراً مسلط کرتی ہے وہ لبرل سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی ہے جس کے نتیجے میں دوسرے تمام نظام ہائے زندگی پر عمل کرنے کا دائرہ کار کم سے کم تر ہوتا چلا جاتا ہے۔[6] چنانچہ ہیومن رائٹس پر مبنی دستوری جمہوری ریاست کا یہ دعویٰ کہ اس نظامِ زندگی میں ہر فرد کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ 'جو' چاہنا چاہے، چاہ سکے ایک جھوٹا دعویٰ ہے کیونکہ فرد کو مساوی آزادی (یعنی سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی) ردّ کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا (اس نکتے کی علمی بنیاد جمہوریت کے حصے میں بیان کی جائے گی)۔ میں بحیثیتِ فرد اگر گوشت کھانا چاہتا ہوں تو چاہوں، ہمہ وقت کھیلنا چاہتا ہوں تو چاہوں، مگر میں ایسا کچھ نہیں چاہ سکتا جس سے اُصولِ آزادی یعنی دوسروں کا اپنی چاہت چاہنے اور اسے حاصل کرنے کا حق سلب ہوجائے۔ مثلاً میں یہ نہیں چاہ سکتا کہ کسی شخص کو شرعی منکر (مثلاً زنا کرنے) سے روک دوں کیونکہ جونہی میں اپنی اس چاہت پر عمل کرتا ہوں تو اُصولِ آزادی کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور جمہوری ریاست مجھے ایسا کرنے سے بذریعہ قوت روک دے گی۔[7]

چنانچہ فرد اپنے کسی مخصوص تصورِ خیر مثلاً اظہارِ مذہبیت پر 'بطورِ ایک حق' عمل تو کرسکتا ہے مگر اسے 'الحق' سمجھ کر دیگر تمام تصوراتِ خیر پر غالب کرنے کا ارادہ نہیں کرسکتا کہ ایسا کرنا

---

⑥ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ فرد، معاشرہ اور ریاست ایک کل (organic-whole) کا نام ہے جس کے اجزاے ترکیبی ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی ریاست کے قیام کے بغیر اسلامی نظامِ زندگی پنپ سکتا ہے، وہ ایک سراب کی تلاش میں ہیں کیونکہ غیر اسلامی ریاست میں اسلامی انفرادیت اور معاشرت کبھی عام نہیں ہوسکتے۔ ریاست تو نام ہی نظامِ اقتدار اور جبر کا ہے جس کا مقصد جبری مقبول یا عمومی طور پر برداشت کی جانے والی معاشرتی اقدار کا فروغ ہوتا ہے تو لامحالہ کافرانہ ریاست کافرانہ معاشرت ہی کو مسلط کرے گی جس کے نتیجے میں ایک کافرانہ انفرادیت کے فروغ اور عموم کے مواقع ہی پنپ سکتے ہیں۔ اسی سے یہ بات بھی صاف ہوجاتی ہے کہ ہمارے فقہاے کرام بلاشرعی عذر کیوں کافر ریاستوں میں رہائش اختیار کرنے کے خلاف تھے۔

⑦ مجاہدین لال مسجد کے ساتھ ہونے والا سلوک اس کی واضح مثال ہے جہاں ریاست نے زنا کاری پھیلانے والے عناصر کی خبر لینے کے بجائے اُصولِ آزادی کی خلاف ورزی کرنے والے مجاہدین پر مظالم توڑ کر 'ہیومن رائٹس' کا تحفظ کیا۔

www.KitaboSunnat.com

اُصولِ آزادی کے خلاف ہے اور اگر اُصولِ آزادی ہی ردّ کر دیا گیا تو پھر میرا یہ حق کہ میں جو چاہنا چاہوں، چاہ سکتا ہوں خود بخود فسخ ہو جائے گا۔ لہٰذا لبرل جمہوری نظام میں ہر فرد ہیومن بننے پر مجبور ہوتا ہے، وہ آزادی کے سوا اور کچھ نہیں چاہ سکتا۔ فرد کی ہر وہ خواہش قانوناً اور اخلاقاً ناجائز اور قابل تنسیخ ہے جو اُصولِ اظہارِ آزادی کے خلاف ہو یعنی جس کے نتیجے میں دوسروں کی آزادی چاہنے کی خواہش میں تحدید ہوتی ہو۔

پس واضح ہوا کہ درحقیقت خیر کے معاملے میں لبرل جمہوری ریاست بھی اتنی ہی راسخ العقیدہ (dogmatic) اور intolerant ہوتی ہے جتنی کوئی مذہبی ریاست کیونکہ دونوں ہی اپنے تصوراتِ خیر سے متصادم کسی نظریئے کی بالادستی کو روا نہیں رکھتیں۔ چنانچہ مشہور لبرل مفکر رالز (Rawls)⑧ کہتا ہے کہ مذہبی آزادی کو لبرلزم کے لئے خطرہ بننے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، وہ مذہبی نظریات جو لبرل آزادیوں (یعنی فرد کے تعیین خیر وشر کے حق) کا انکار کریں، ان کو عملاً کچل دینا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کسی وَبا کو ختم کرنا ضروری ہوتا ہے۔⑨ پس خوب یاد رہے کہ تمام تصوراتِ خیر کی مساوات و لایعنیت کا مطلب غیر جانبداری نہیں بلکہ مساوی آزادی بطور اصل خیر کا اِقرار ہے۔ یہ اسی کا مظہر ہے کہ پختہ (matured) جمہوری ریاستوں میں ارادۂ انسانی یعنی 'انسانی حق' کی بالادستی تمام تصوراتِ خیر پر غالب آجاتی ہے اور کسی مخصوص خیر کی دعوت دینا ایک لایعنی اور مہمل دعوت بن کر رہ جاتی ہے۔ ایسی ریاستوں میں آپ کسی مخصوص خیر (مثلاً مذہبیت) کے حصول کو 'بطورِ ذاتی حق' کے اختیار تو کر سکتے ہیں مگر اس خیر کو دیگر

---

⑧ دیکھئے رالز کی کتاب *Theory of Justice*

⑨ اسلامی حلقے اکثر امریکہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ امریکہ عراق و افغانستان وغیرہ میں ہیومن رائٹس کی خلاف ورزی کر رہا ہے جبکہ یہ الزام اُصولاً غلط ہے کیونکہ ہیومن رائٹس فریم ورک کے مطابق ایسے لوگ جو ہیومن ہونے کو نہیں مانتے یعنی جو Non-Humans ہیں، اُنہیں قتل کرنا کوئی جرم نہیں۔ Human وہ ہے جو انسان کو قائم بالذات یعنی الصَّمد سمجھے اور جو حصولِ آزادی کو دیگر تمام مقاصد زندگی پر ترجیح دے۔ وہ لوگ جو نہ صرف یہ کہ لبرل آزادیوں کے منکر ہوں، بلکہ ان کے خلاف عملاً برسر پیکار ہوں (مثلاً طالبان) تو ان کا قتل عین جائز ہے کہ وہ ہیومن ہیں ہی نہیں، ہیومن رائٹس تو ہیومن کے حقوق ہوتے ہیں، نہ کہ عبد کے۔

www.KitaboSunnat.com

تصوراتِ خیر اور زندگی گزارنے کے دیگر طریقوں پر غالب نہیں کر سکتے، یہی ہیومن رائٹس کی حقیقت ہے۔

ہیومن رائٹس اور جمہوری ریاست بطورِ غلبہ اسلام کا ذریعہ: جو مفکرین اور علماے کرام ہیومن رائٹس اور جمہوری فریم کو غلبہ اسلام کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں، وہ درحقیقت ہیومن رائٹس کی غیر جانبداریت و آفاقیت کے فریب کا شکار ہیں اور وہ ہیومن رائٹس اور جمہوریت کو ہر قسم کے مقاصد و روح سے ماورا ایسا ٹیکنیکل (Technical) ڈھانچہ فرض کرتے ہیں جو ہر قسم کے مقاصد اور خیر کے حصول میں مددگار ہوسکتا ہے۔ مگر یہ واضح ہے کہ ہیومن رائٹس و جمہوریت ہرگز بھی کوئی ایسا ریاستی ڈھانچہ فراہم نہیں کرتے جس کے ذریعے 'کسی بھی' نظام زندگی اور مقصد کا حصول ممکن ہو سکے کیونکہ جس چیز کو یہ اُصولاً و عملاً ممکن بناتے ہیں، وہ ارادۂ خداوندی پر مبنی خیر کی نہیں بلکہ 'انسانی حق کی ہر خیر پر بالادستی' ہے اور کفر و شرک کی یہ وہ شکل ہے جسے plurality of goods کے خوبصورت نام سے پیش کیا جاتا ہے نیز اس کے نتیجے میں جو اجتماعی نظام زندگی تشکیل پاتا ہے، وہ لبرل سرمایہ داری کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ ہیومن رائٹس فریم ورک کو ماننا دراصل اسلام کی مغلوبیت پر راضی ہوجانا ہے۔

اس بحث سے تحریکاتِ اسلامی اور ایسے علماے کرام کی حکمتِ عملی کی غلطی واضح ہو جانی چاہئے جسے اُنہوں نے دستوری حقوق کے تناظر میں تحفظِ اسلام کے لئے اپنا رکھا ہے۔ جب کبھی حکومتی مشینری یا بیرونِ ملک ریاستیں و ادارے تعلیمات و اظہارِ اسلام کے خلاف کوئی حکمت عملی اپناتے ہیں تو اس کی مخالفت 'مسلمانوں کے حق' کے نام پر کی جاتی ہے، مثلاً فرض کریں اگر ترک حکومت مسلم عورتوں کے اسکارف پہننے پر پابندی لگا دے تو کہا جاتا ہے کہ ایسا کرنا تو مسلمان عورتوں کا حق ہے اور ہیومن رائٹس اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اگر یہ حکمت عملی حالتِ مغلوبی کے بجائے کسی علمی دلیل و نظریئے کی بنا پر اپنائی گئی ہے تو پھر یاد رہے کہ اظہار اسلام کو 'خیر مطلق' (absolute good) کے بجائے ہیومن رائٹس کی پناہ میں بطور 'ایک حق' کے پیش کرنا درحقیقت نہ صرف یہ کہ اسلام کے نظام زندگی ہونے بلکہ اس کے خیر مطلق ہونے کا انکار بھی ہے کیونکہ اگر اظہارِ اسلام محض ایک فرد کا حق ہے تو پھر دوسرے افراد

www.KitaboSunnat.com

کے اپنے اظہارِ خیر کے حق کو بھی لازماً ماننا پڑے گا۔ اسلامیت کو محض بطورِ حق ماننے کے بعد امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا سرے سے کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا کیونکہ تعین خیر کو فرد کا حق سمجھنا اظہارِ ذات کے تمام طریقوں کو برابر ماننے کے مترادف ہے۔ اس حکمتِ عملی کے نتیجے میں ہم اسلام کو ایک غالب خیر مطلق کے بجائے کثیر الانواع تصوراتِ خیر میں سے ایک تصورِ خیر کے طور پر 'محفوظ' کرنے میں کامیاب ہو پاتے ہیں اور بالآخر اسلام کو لبرل سیکولر ریاست کے اندر سمو دینے کا باعث بنتے ہیں۔[10] ہیومن رائٹس ہرگز غلبہ اسلامی کا ذریعہ نہیں بن سکتے کہ جس قدر اُصولِ آزادی کے اندر یہ اظہارِ اسلامیت کا موقع فراہم کرتے ہیں، اسی قدر اظہار کفر اور فسق کو بھی محفوظ کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ہیومن رائٹس کا فریم ورک اظہارِ مذہب کی بہت سی آزادیاں فراہم کرتا ہے مگر ان آزادیوں کے ذریعے محض ایک ایسا 'مذہبی دائرہ' محفوظ کیا جا سکتا ہے جس سے باہر مذہب کی پہنچ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی ہے۔ ان مذہبی آزادیوں کی حقیقت نہ پہچاننے کی وجہ سے مسلم مفکرین وعلمائے کرام بالعموم دو غلط فہمیوں کا شکار ہوئے:

---

[10] پاکستان اور ترکی میں برپا کی جانے والی جمہوری جدوجہد کی پوری تاریخ اس نتیجے کا منہ بولتا ثبوت ہے جہاں جمہوری جدوجہد کرنے والی اسلامی تحریکات بالآخر خیر کے بجائے حقوق کی سیاست کرتی نظر آتی ہیں کیونکہ جمہوریت کے حصار میں حقوق کی سیاست کے علاوہ ہر دوسری دعوت ایک مہمل بات بن کر رہ جاتی ہے۔ یہ 'حقوق کی بالادستی' کا ہی نتیجہ ہم دیکھتے ہیں کہ عملاً دینی جماعتیں ووٹ لینے کے عمل کے دوران اور اس کے بعد ویسی ہی سیاست کرنے پر مجبور ہوتی ہیں جو دیگر لادینی جماعتوں کا شعار ہے جیسا کہ کراچی کی شہری حکومت اور سرحد کی صوبائی حکومت کے تجربات سے عین واضح ہے۔ جمہوری جدوجہد کے نتیجے میں آج دینی جماعتوں کے پاس سیکولر عدلیہ اور فحاشی پھیلانے والے میڈیا کی آزادی، مہنگائی و بے روزگاری کے خاتمے، بجلی و آٹے کے بحران پر قابو پانے وغیرہ کے علاوہ کوئی سیاسی ایجنڈا سرے سے باقی ہی نہیں رہا اور احیاے اسلام محض ایک کھوکھلا نعرہ بن کر رہ گیا ہے۔ جمہوری اسلامی مفکرین کے خیال میں پاکستان کے اصل مسائل: فوج کی بے جا مداخلت، شخصی حکمرانی، انصاف کا فقدان، معاشی ناانصافی، غربت، مہنگائی اور بے روزگاری وغیرہ ہیں نہ کہ ترکِ جہاد، عدمِ نفاذِ شریعت، شعائرِ اسلامی سے عوامی اور حکومتی روگردانی، عریانی وفحاشی کا فروغ، سودی کاروبار کا لین دین، عوام الناس میں دنیا داری اور موت سے غفلت کے رجحانات کا بڑھ جانا..... وغیرہ

www.KitaboSunnat.com

① دارالاسلام اور دارالکفر کو لبرل فریم ورک کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کرنا، یہاں تک کہ اُنیسویں اور بیسویں صدی کے متعدد جید اور راسخ العقیدہ علماے کرام نے بھی ان لبرل آزادیوں کے فریب کا شکار ہوکر ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیا اور یہی غلط فہمی آج بھی مسلم دانشوروں کو لاحق ہے کہ وہ کسی خطہ ارضی میں لبرل آزادیوں کی موجودگی کو نہ صرف یہ کہ دارالاسلام کے ہم معنی سمجھتے ہیں بلکہ اُنہیں دارالاسلام کی شرائط لازمی (pre-conditions) بھی گردانتے ہیں۔

② سوشلزم کے مقابلے میں لبرل ازم (جسے ہمارے ہاں عام طور پر سرمایہ داری کے نام سے پہچانا جاتا ہے) کے بارے میں حد درجہ نرم گوشہ اختیار کرنا، یہاں تک کہ اسلام کے معاشی و سیاسی نظام کو اُصولاً وعملاً لبرل فریم ورک کے ساتھ نتھی کردیا گیا جن کی واضح مثالیں اسلامی معاشیات اور اسلامی جمہوریت کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مگر یاد رہنا چاہئے کہ غلبہ اسلام کے تناظر میں لبرل ازم سوشل ازم سے بھی بڑی برائی ہے کہ سوشل ازم کا دشمنِ اسلام ہونا ہم پر عین واضح ہے مگر لبرل ازم کے چھپے ہوئے خطرے سے ہم واقف ہی نہیں۔ لبرل ازم کے خلاف اسی نرم گوشے کا ہی یہ اظہار ہے کہ بالعموم علماے کرام نے انقلابی جدوجہد (ریاست کے اندر تعمیر ریاست) کے ذریعے تحریکِ خلافت کو کامیاب بنانے کے بجائے لبرل دستوری فریم ورک کے اندر مسلم قوم پرستانہ (لبرل نظام کے اندر مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر برپا کی جانے والی) جدوجہد یعنی مسلم لیگ کی تحریک استخلاصِ وطن کا ساتھ دیا۔

جو مسلم مفکرین و علماے کرام دستوری قانونی جدوجہد کے علاوہ کسی اسلامی جدوجہد کے قائل نہیں، وہ یا تو دستور اور ہیومن رائٹس کی فراہم کردہ آزادیوں کی حقیقت سے واقف ہی نہیں، یا پھر غلبہ اسلامی کے بجائے محض تحفظِ اسلامی پر قانع رہنا چاہتے ہیں اور یا پھر غلبہ اسلامی کا محض کوئی نام نہاد تصور رکھتے ہیں۔ یہ حضرات اس غلط فہمی کا شکار ہیں گویا ہیومن رائٹس و جمہوریت کے نام پر مذہب سے ماورا خیر کا کوئی ایسا آفاقی تصور اور دائرہ دریافت کرلیا گیا ہے جو اسلامی خیر کے فروغ کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے، یعنی اسلامی خیر بھی اس وسیع تر

www.KitaboSunnat.com

دائرے کا ایک جز بن سکتا ہے۔ اسلامیت کو 'ایک حق' کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام بہت سے نظامہائے زندگی میں سے ایک ہے اور یہ تمام نظام ایک مشترکہ عالمی نظام کا حصہ ہیں اور یہ عالمی نظام 'لبرل سرمایہ داری' کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ تضاد سمجھ سے بالا تر ہے کہ ایک طرف تو اسلامی تحریکات اسلام کے غلبے کے لئے 'ریاست' حاصل کرنا چاہتی ہیں لیکن ساتھ ہی وہ ہیومن رائٹس کو بھی مانتی ہیں جن کا اوّلین تقاضا ہی یہ ہے کہ ریاست خیر کے ایک مخصوص مذہبی تصویر کے بارے میں غیر جانبدار رہے، فیا للعجب ۔ پس ہمیں ہیومن رائٹس فریم ورک سے نکلنے والے تصورِ عدل اور حقوق کے حصول کی ہرگز جدوجہد نہیں کرنا چاہئے کہ اس کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ عدل کا قیام اور استحکام عمل پذیر ہوتا ہے۔

یہ بات نہایت اچھی طرح ذہن نشین رہنا چاہئے کہ اسلامی نکتہ نگاہ سے 'خیر' انسان کے 'حق' پر برتری رکھتا ہے یعنی اسلام اس ارادۂ خداوندی کی فوقیت کو ناقابل چیلنج خیر کے طور پر تسلیم کرتا ہے جو آنحضرت ﷺ پر قرآن وسنت کی صورت میں نازل ہوا، صحابہ کرامؓ نے جسے محفوظ کیا اور ائمہ امت وعلماے عظام نے جسے عوام الناس تک منتقل کیا۔ چونکہ اسلام میں حقوق وفرائض کا تمام تر نظام اسی ارادۂ خداوندی سے ماخوذ ہے، لہٰذا ان حقوق کی تفسیر اور تنسیخ بھی قرآن وسنت کی روشنی میں ہی ہوتی ہے۔ ایک مسلمان اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ ماوراے اسلام کسی مجرد حقوق کے نظام (جیسے ہیومن رائٹس) کو نہ صرف یہ کہ قبول کرلے بلکہ اِنہی حقوق کے اندر اپنے مذہبی اور سیاسی تشخص کے بقا کی کوشش کرے۔ دعوتِ اسلامی ہرگز حقوق کی نہیں بلکہ خیر کی طرف بلانے کی دعوت ہوتی ہے اور تحریکاتِ اسلامی اسی خیر سے اخذ کردہ اقداری ترتیب کے مطابق معاشرتی صف بندی کی تنظیم نو اور اس تصورِ خیر کے تحفظ اور نظامِ اقتدار کو اس خیر کے تابع کرنے کے لئے میدانِ عمل میں آتی ہیں۔

مضمون کے پہلے حصے میں واضح کیا گیا تھا کہ نہ تو وحی سے ماورا خیر کو پہچاننے کا کوئی ذریعہ ممکن ہے اور نہ ہی اسلام کے علاوہ یا باہر خیر کا کوئی وجود ہے، جس کی طرف ہم کسی کو دعوت دے سکیں یا جس کی بنیاد پر ہم کسی سے کوئی مکالمہ یا گفتگو کرسکیں۔ ہم جب بھی غیر مسلم سے گفتگو کرتے ہیں تو صرف اور صرف اسے اسلام کی طرف دعوت ہی دے سکتے ہیں کہ یہی خیر

www.KitaboSunnat.com

مطلق ہے۔ فروغِ اسلام کیلئے کسی ماقبل اسلام تصور خیر (pre-given conception of good) کا وجود لازم ماننا درحقیقت اسلام کے خیر مطلق ہونے کا انکار کرنا ہے۔ جو حضرات یہ فرض کرتے ہیں کہ ہیومن رائٹس جیسے ماقبل اسلام تصور خیر کا نتیجہ لازماً فروغِ اسلام ہی ہوگا، اُنہیں ان سوالوں کا جواب بھی دینا چاہئے کہ

۱) دنیا کا وہ کونسا ملک ہے جہاں ہیومن رائٹس اور جمہوری اقدار کی بالادستی کے نتیجے میں اسلامی انقلاب برپا ہوا؟

۲) اسلامی ریاست تو درکنار کیا خود لبرل جمہوری ریاستیں دنیا میں کہیں جمہوری طریقے سے قائم ہوسکی ہیں؟ اگر ایسا ممکن تھا تو امریکہ، برطانیہ، فرانس، چائنہ، روس وغیرہ کے خونی انقلابات کی ضرورت ہی کیوں پڑی؟ آخر قیام جمہوریت کے لئے دنیا پر ظلم و بربریت کے پہاڑ کیوں توڑے گئے اور آج بھی عراق، افغانستان اور پاکستان وغیرہ میں جمہوری اقدار کی حفاظت وفروغ کے لئے قتل وغارت کا بازار کیوں گرم ہے؟

۳) کیا جمہوریت مسلمانوں کی تاریخ وعلمیت سے خود بخود برآمد ہوئی یا جمہوری ادارے استعمار نے ان پر بالجبر مسلط کیے؟

ہیومن رائٹس کی آفاقیت کا دعویٰ: درج بالا بحث سے یہ نکتہ بھی صاف ہوجانا چاہئے کہ ہیومن رائٹس فریم ورک کسی آفاقی سچائی یا حقیقت کا حامل نہیں بلکہ اس کا منبع ما بعد عیسائی (Post-Christian) مغربی معاشرتی تشکیل ہے اور اسی مخصوص تاریخی وتہذیبی تناظر میں اسے سمجھنا ممکن ہے۔ واضح رہے کہ ہیومن رائٹس فریم ورک کا جواز کسی آفاقی، علمی ومنطقی دلیل پر نہیں بلکہ 'انسانی فطرت' کے مفروضے پر قائم ہے، یعنی ان کا جواز اس مفروضے پر مبنی ہے کہ یہ حقوق مجرد انسانی فطرت کا تقاضا ہیں۔ یہ دلیل بظاہر یہ دھوکہ دیتی ہے، گویا واقعی ہیومن رائٹس کوئی آفاقی حقیقت ہیں مگر اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ محض فریب ہے کیونکہ انسانی فطرت (Normal behavior) کا کوئی بھی تصور ایسا نہیں جو انسان کے بارے میں کسی مابعد الطبعیاتی ایمان پر قائم نہ ہو۔ ہیومن رائٹس کا جواز درحقیقت 'ہیومن' (خود کو قائم بالذات ہستی تصور کرنے والے فرد) کی فطرت کا تقاضا ہے نہ کہ عبد کی۔ (مزید تفصیل آگے آرہی ہے)

www.KitaboSunnat.com

چونکہ مغربی مفکرین کے خیال میں 'نفس امارہ' پر عمل کرنا ہی انسانی فطرت اور عقل انسانی کا تقاضا ہے لہٰذا وہ ہیومن رائٹس کو 'آفاقی انسانی میلان' کا نتیجہ قرار دے کر اُنہیں آفاقی وفطری حقوق کا درجہ دیتے ہیں۔[11] مگر ہم مسلمان نفس امارہ کی پیروی کو ہرگز فطرتِ انسانی نہیں سمجھتے کیونکہ نفس امارہ پر چلنا بمعنی 'صلاحیت' (ability) یقیناً انسانی فطرت ہے کہ انسان میں جتنی صلاحیت احسن تقویم بننے کی ہے، اتنی ہی اسفل سافلین کی بھی ہے، لیکن ان معنی میں فطرت نہیں کہ ایسا کرنا ہی کوئی معیاری یا طبعی (normal) انسانی کیفیت یا میلان ہے۔ پس نفس امارہ ہرگز بھی کوئی معیاری نفسی کیفیت نہیں، البتہ مغربی علمیت میں نفس امارہ ہی فطری نفسی کیفیت مانی جاتی ہے۔[12] کیونکہ مغرب خیر کے جس تصور پر یقین رکھتا ہے، وہ نفس امارہ ہی کا دوسرا نام ہے اور یہی وجہ ہے کہ مغربی علوم میں قانون اور معاہدے (contract) جیسے تصورات تو ملتے ہیں، لیکن گناہ کا ذکر سرے سے مفقود ہے۔

گناہ کیا ہے؟ یہ کہ انسان اپنے ارادے کو خدا کی مرضی پر غالب کردے، مغرب میں خیر

---

[11] سرمایہ داری (آزادی، مساوات وترقی کی اقدار پر مبنی معاشرتی وریاستی تشکیل) کا جواز عموماً دو بنیادوں پر فراہم کیا جاتا ہے:

الف) یہ انسانی فطرت اور عقل کا تقاضا ہے (Capitalism is rational)، جیسا کہ لبرل مفکرین کا خیال ہے کہ جب بھی انسان کو آزاد چھوڑا جائے گا، وہ فطرتاً ایسا ہی نظام زندگی قائم کرے گا۔

ب) یہ تاریخی عمل و جبر کا ایک لازمی نتیجہ وجزو ہے جس سے مفر ممکن نہیں (Capitalism is historical)، جیسا کہ اشتراکی مفکرین کا خیال ہے۔

ہمارے نزدیک سرمایہ داری نہ تو عقلی وفطری شے ہے اور نہ تاریخی جبر وحقیقت، بلکہ یہ شر (evil) ہے یعنی سرمایہ داری کا غلبہ فطرتِ انسانی یا تاریخی جبر کا نہیں، درحقیقت رذائل نفس (خصوصاً حرص وحسد) اور ان پر مبنی اِدارتی صف بندی کی عمومیت کا نتیجہ ہے۔

[12] مغربی انفرادیت یعنی ہیومن بینگ کا بنیادی ایمان ومقصد حصولِ آزادی یعنی اپنے ربّ سے بغاوت ہے اور اس کے بنیادی احساسات: شہوت وغضب اور اضطرار و یاسیت کی کیفیات ہیں۔ مغربی مفکرین ان احساسات کو عین انسانی فطرت گردانتے ہیں، مثلاً کیرکگارڈ (Kirkegard) کے بقول آدمؑ جنت میں اپنی تنہائی کی وجہ سے اِضطرار کا شکار ہوئے اور پہلا گناہ کر بیٹھے، لہٰذا تنہائی اور اضطرار کا احساس مقدم اور دائمی ہے اور ان احساسات سے دنیاوی زندگی میں نجات ناممکن ہے۔ =

www.KitaboSunnat.com

عین اسی چیز کا نام ہے کہ انسان ارادۂ خداوندی سے علیٰ الرغم اپنے لئے جو چاہنا چاہے، چاہ سکے۔ ظاہر ہے خیر کے اس تصور پر ایمان لانے کے بعد گناہ نامی کوئی شے باقی نہیں رہتی، الہامی مذاہب جسے گناہ کہتے ہیں، مغرب میں عین اسی شے کو اصل خیر، فطرت اور تعقل کہتے ہیں۔ اسلامی نکتہ نگاہ (جو درحقیقت 'واحد حق' نکتہ نگاہ ہے) میں فطرتِ انسانی (معیاری انسانی رویہ) احکاماتِ الٰہی پر عمل پیرا ہونا ہے یہاں تک کہ انسان نفس مطمئنہ کی منزل کو پالے۔ نفس مطمئنہ وہی ہے جو اپنے ربّ کے احکامات پر برضا و رغبت عمل پیرا ہونے کو سعادت سمجھے اور اصلاً یہی انسانی فطرت ہے جسے گناہوں سے آلودہ کرکے انسان ثقیف بنا دیتا ہے۔ ہیومن رائٹس کی آفاقیت کا دعویٰ قبول کرنے کا مطلب یہ مان لینا ہے کہ گناہ کرنا ہی اصل انسانی فطرت ہے [۱۳] یہاں ایک بار پھر مغرب اور مذہب کے تصورِ آزادی کا فرق واضح ہوجانا چاہئے، مغرب آزادی (یعنی بغاوت و نفس امارہ کی پیروی) کو محض انسان کی 'صلاحیت' ہی نہیں سمجھتا بلکہ ایسا کرنے کو 'قدر' (اچھا) اور فطری (معیاری انسانی) رویہ مانتا ہے، اس کے برعکس مذہبی تصور آزادی کا مطلب صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ گناہ کرسکے، مگر ایسا کرنا کوئی قدر نہیں کیونکہ قدر آزادی نہیں بلکہ عبدیت (خدا کے حضور اپنی آزادی) سے دستبردار ہوجانا ہے۔

= مشہور جرمن فلسفی ہائیڈیگر کہتا ہے کہ 'انسان اشیا کو پاتا ہے، اُنہیں تخلیق نہیں کرسکتا، وہ کائنات میں پھینک دیا جاتا ہے (we are thrown into the universe)، ہائیڈیگر Throwness ہی کو انسان کی فطری کیفیت کہتا ہے اور Throwness کی یہ کیفیت درحقیقت احساسِ تنہائی (کہ انسان اس دنیا میں اکیلا ہے) کے تصور سے پیدا ہوتی ہے۔

[۱۳] حدیث شریف میں بیان ہوا کہ جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ دھبہ لگا دیا جاتا ہے، اگر وہ توبہ کرلے تو اسے مٹا دیا جاتا ہے اور اگر وہ گناہوں کی روش پر چلتا رہے تو آہستہ آہستہ انسان کا پورا قلب سیاہ ہوجاتا ہے یہاں تک کہ اس سے توبہ کی توفیق سلب کرلی جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ گناہ کرنے سے انسان اپنی فطرت (رجوع الی اللہ) کو آلودہ کرتا ہے، نہ کہ اس کے تقاضے پورا کرتا ہے۔ اور یہ پہلے واضح کیا گیا کہ گناہ کا مطلب ارادۂ شرعیۂ خداوندی کی مخالفت کرنا ہے، ثابت ہوا کہ ارادۂ خداوندی کی مخالفت درحقیقت فطرتِ انسانی کی مخالفت ہے۔

www.KitaboSunnat.com

افسوس کی بات یہ ہے کہ جب خود مغربی فلسفی ومفکرین ہیومن رائٹس فریم ورک کی آفاقیت کے دعووں سے دستبردار ہو رہے ہیں[۱۴] عین اسی وقت مسلم مفکرین ہیومن رائٹس کے حق میں اسلامی تاویلیں فراہم کرنے میں مصروف ہیں۔ چنانچہ ہیومن رائٹس کے حق میں تحریکاتِ اسلامی اور مسلم مفکرین ایک تاویل یہ پیش کرتے ہیں کہ ہم ہیومن رائٹس کی تعریف وتحدید اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کریں گے، یعنی اسلام میں بھی ہیومن رائٹس ہیں مگر وہ نہیں جو مغرب بتاتا ہے بلکہ وہ جو قرآن وسنت سے ثابت ہیں۔ یہ دلیل کئی اعتبار سے خلطِ مبحث کا شاخسانہ ہے:

❁ 'ہیومن' محض ایک لغوی لفظ نہیں کہ جس کا ترجمہ 'انسان' کرکے اسے جن معنی میں چاہے استعمال کرلیا جائے بلکہ یہ ایک مخصوص تہذیبی اقدار کی عکاس اور مغرب کی علمی تاریخ سے برآمد ہونے والی ایک اصطلاح ہے۔ Humanity درحقیقت تحریک ِتنویر (Enlightenment) کا کلیدی تصور ہے اور اس کا ترجمہ 'انسانیت' کرنا غلط ہے۔ 'انسانیت' کا درست انگریزی ترجمہ 'Mankind' ہے اور یہی لفظ انسانی اجتماعیت کے لیے انگریزی زبان میں ۱۸ ویں صدی سے قبل رائج تھا۔ 'Humanity' کا تصور 'حقیقی انسانیت' کے تصور کی رد ہے، ان معنوں میں کہ human being عبدیت اور تخلیقیت کا اُصولاً اور

---

[۱۴] بیسویں صدی کے مشہور زمانہ لبرل مفکر رالز (Rawls) کے خیالات کا تجزیہ کرنے سے یہ حقیقت عین واضح ہوجاتی ہے:

☆ ۱۹۷۱ء میں رالز اپنی کتاب Theory of Justice میں لبرل (یعنی ہیومن رائٹس) فریم ورک کی ایک آفاقی اخلاقی توجیہ پیش کرتا ہے۔

☆ ۱۹۹۳ء میں اپنی فکر پر Communitarian مفکرین کی تنقید کے جواب میں لبرل فریم ورک کی اخلاقی آفاقیت کے دعوے سے پسپائی اختیار کرکے رالز اپنی کتاب Political Liberalism میں لبرل فریم ورک کی ایک ایسی محدود سیاسی تعبیر (restricted version) پیش کرتا ہے جو محض امریکی تاریخ سے مطابقت رکھتی ہے۔

☆ ۱۹۹۹ء میں اپنی کتاب Law of People میں رالز ہیومن رائٹس کی آفاقیت پر سمجھوتہ کرتا ہے کہ اس کے خیال میں یہ رائٹس صرف بالفعل قائم لبرل معاشروں کے لئے ہی قابل عمل ہیں اور جو معاشرے لبرل نہیں وہاں ان کی عملیت پر اصرار کرنا غلط ہے۔

www.KitaboSunnat.com

عملاً انکار ہے۔ Kant کے مطابق human being کا بنیادی وصف اور اس کی اصل 'autonomy' یعنی خودارادیت اور خودمختاریت ہے۔ چنانچہ ہیومن بینگ وہ تصورِ انفرادیت ہے جس کے مطابق فرد ایک self-determined and self governed being (قائم بالذات اور خودمختار ہستی) ہے۔ اس انفرادیت کا بنیادی ایمان و احساس عبدیت نہیں بلکہ آزادی یعنی بغاوت ہے۔ انسان اپنے ربّ کے ارادے کا مطیع ہوتا ہے جبکہ human being خود اپنا ربّ ہوتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے، اسے کر گزرنے کا مکلّف سمجھتا ہے۔ لہٰذا ہیومن کا درست ترجمہ 'انسان' نہیں بلکہ 'شیطان' ہے (Human is actually demon) کیونکہ ہیومن بالکل اسی طرح اپنے ربّ کا باغی ہے جس طرح ابلیس شیطان۔ معلوم ہوا کہ ہیومن رائٹس کا معنی 'انسانی حقوق' نہیں بلکہ 'شیطانی حقوق' ہے۔

بیسویں صدی کا مشہور فلسفی فوکالٹ درست کہتا ہے کہ 'ہیومن' تو پیدا ہی سترہویں اور اٹھارویں صدی میں ہوا[۱۵] اس سے قبل اس کا وجود نہ تھا کیونکہ تمام مذاہب میں انسان کا تصور ہمیشہ 'عبد' ہی رہا ہے گو کہ اس عبدیت کی معتبر شکل کی تفصیلات میں مذاہب کے درمیان اختلاف رہا ہے۔ پس جب 'ہیومن' کا تصور ہی اسلام کے بنیادی تصورِ انسان سے متصادم ہے تو 'اسلامی ہیومن رائٹس' کی اصطلاح ایجاد کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسے 'اسلامی کفر'۔ ظاہر ہے جس طرح 'اسلامی عیسائیت' کوئی چیز نہیں ہوسکتی، اسی طرح اسلامی ہیومن رائٹس بھی نہیں ہوسکتے۔ ہیومن رائٹس کے مقابلے میں اسلام میں 'حقوق العباد' کا تصور ہے اور حقوق العباد 'ہیومن' کے نہیں بلکہ 'عبد' کے حقوق ہیں۔ اسلام میں ہیومن کے لئے کوئی حقوق نہیں کیونکہ وہ تو خدا کا باغی ہے۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ ہیومن رائٹس درحقیقت حقوق العباد کا ردّ ہیں۔

یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ اسلام میں 'حقوق العباد' کی اس قدر جامع تفسیر کے ہوتے ہوئے اسلامی تحریکات اور مسلم مفکرین کو ہیومن رائٹس جیسے تصورات کی ضرورت ہی کیوں پڑتی ہے۔ اصل بات جس کی طرف اسلامی تحریکات کو دعوت دینا چاہئے، وہ ہیومن رائٹس کی کوئی اسلامی تعبیر نہیں بلکہ ہیومن رائٹس کی تردید ہے کیونکہ اُلوہیتِ انسانی پر ایمان لانا کفر وشرک کی

[۱۵] دیکھئے فوکالٹ کا مضمون What is Enlightenment?

www.KitaboSunnat.com

بدترین شکلوں میں سے ایک ہے۔ ہیومن رائٹس وغیرہ جیسے تصورات کی اسلامی تشریحات پیش کرنے کی وجہ سرمایہ داری کو ایک مکمل نظامِ زندگی کے طور پر نہ سمجھ پانا ہے، مسلم مفکرین بالعموم مغربی انفرادیت (ہیومن بینگ)، نظامِ معاشرت (سول سوسائٹی)، معیشت (مارکیٹ) اور ریاست (جمہوریت) کو باہم مربوط اکائیوں کے بجائے منتشر اَجزا تصور کرکے فرض کرتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک جزو کو دیگر تمام اجزا سے کاٹ کر اپنانا ممکن ہے۔

❁ اوپر واضح کیا گیا تھا کہ ہیومن رائٹس کا جواز کسی مذہبی علمیت یا ثقافتی روایت وغیرہ سے اَخذ نہیں کیا جاتا بلکہ اُنہیں ایسے 'فطری حقوق' فرض کیا جاتا ہے جو اپنا جواز از خود ہیں [۱۶] اور جنہیں کسی دیگر تصورِ خیر مثلاً مذہب وغیرہ کے نام پر منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے مقابلے میں اسلام فرد کے کسی ایسے حق کا قائل نہیں، جس کا جواز اسلام سے باہر یا ماورا کسی اُصول سے فراہم کیا جاسکتا ہو۔ بندہ از خود کسی حق کا اہل ہے ہی نہیں بلکہ اس کے ربّ نے بطورِ عنایت اسے چند حقوق عطا فرمائے ہیں، جو اللہ کی بندگی کے نتیجے میں حاصل ہوتے ہیں۔ اور اس کے حقوق وہی ہیں جو شارع کے قول سے ثابت ہوتے ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ ہیومن رائٹس 'ایک مجرد خودمختار انفرادیت' (Abstract Human) کے حقوق ہیں اور حقوق کی اس تفسیر میں فرد کی واقعاتی حیثیت کی کوئی رعایت موجود نہیں۔ اس کے مقابلے میں شارع کی عطا کردہ تقسیم حقوق میں 'مسلمانیت وکفر'، 'مرد وعورت'، 'تقوی وفسق' وغیرہ جیسی صفات بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ ہیومن رائٹس کے در پردہ یہ فلسفہ کارفرما ہے کہ اجتماعی عدل کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ حقوق کا تعین تمام تصوراتِ خیر سے ماورا رہ کر کیا جانا چاہئے یعنی حقوق کی تعیین وتفسیر کسی مخصوص تصورِ خیر سے اخذ نہیں کی جانی چاہئے اور نہ

[۱۶] چنانچہ مشہور امریکی مفکر جیفرسن (Jefferson) کہتا ہے:

"We hold these truths to be self-evident, that all men are created equal; that they are endowed by their Creator with inherent and inalienable rights; that among these, are life, liberty, and the pursuit of happiness" [Declaration of Independence, Papers 1:315, emphasis added]

''ہم ان حقائق اور اصولوں کو بدیہی (یعنی ہر دلیل سے ماورا) سمجھتے ہیں کہ تمام افراد پیدائشی طور پر مساوی ہیں، نیز یہ کہ ان کے خالق نے اُنہیں چند ناقابل ردّ حقوق ودیعت کردیے ہیں جو یہ ہیں: زندگی، آزادی اور (اپنی خواہشات کے مطابق) حصولِ لذت کی جستجو۔''

www.KitaboSunnat.com

ہی اس میں کسی مخصوص تصورِ خیر کی رعایت کی جانی چاہئے۔ پس جب ہم 'ہیومن رائٹس' کی تشریح قرآن وسنت سے اَخذ کرنے کی بات کرتے ہیں تو تضاد بیانی کرتے ہیں، وہ ایسے کہ قرآن وسنت سے ماخوذ نظامِ حقوق درحقیقت مخصوص (اسلامی) تصورِ خیر کا عکاس ہوگا اور یہ ہیومن رائٹس کے بنیادی فلسفے ہی کا ردّ ہے۔ چنانچہ قرآن وسنت سے اخذ کردہ حقوق کی تفسیر کو 'حقوق العباد' تو کہا جاسکتا ہے مگر ہیومن رائٹس نہیں۔

❁ پھر جیسے بتایا گیا کہ ہیومن رائٹس مخصوص علمی تہذیب سے برآمد ہونے والی ایک علمی اصطلاح ہے اور اصطلاح کو اس کے تاریخی و اَقداری پس منظر سے ہٹا کر استعمال کرنا ممکن نہیں ہوتا بلکہ اپنی علمیت کو کسی دوسری تہذیبی اصطلاح میں بیان کرنے کا مطلب دوسرے تہذیبی تصورات کو اپنی علمیت میں دراندازی کا موقع فراہم کرنا ہوتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ کسی تہذیبی اقدار کے حاملین اس بات پر کبھی سمجھوتہ کرنے پر تیار نہیں ہوتے کہ ان کے شعائر کی نمائندہ اصطلاحات کو کسی دوسری تہذیب کے لوگ اپنے خودساختہ معنی میں استعمال کرکے عام کرنے کی کوشش کریں۔ مثلاً ہمارے ہاں قادیانی خود کو 'مسلمان' اور اپنے مذہب کو 'اسلام' کہتے ہیں مگر ہم اصطلاحِ 'اسلام' کے اس فکری اغوا پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے اور نہ ہی 'قادیانی اسلام' کی کسی اصطلاح کو برداشت کرنے پر تیار ہوتے ہیں بلکہ ہم قادیانیوں کو ہمیشہ 'خارج از اسلام' اور 'کافر' ہی کہتے ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک اسلام صرف وہی ہے جو معتبر ذرائع کے ذریعے قرآن وسنت اور اجماعِ اُمت کی صورت میں نسل درنسل ہمیں منتقل ہوا، اس کے علاوہ اسلام کسی شے کا نام نہیں۔ بالکل اسی طرح ہیومن رائٹس بھی ایک تہذیب کی نمائندہ اصطلاح ہے جسے اگر ہم اسلامیانا چاہیں تب بھی اہل مغرب اس کی کسی مسخ شدہ تشریح کو سند ماننے پر ہرگز تیار نہیں ہوں گے۔ آپ اپنی خوشی کے لئے جو اصطلاح وضع کرنا چاہیں کیجئے مگر یہ اُمید رکھنا کہ مغرب آپ سے اسی اصطلاحی معنی پر مکالمہ کرے گا، خوش فہمی کے سوا اور کچھ نہیں۔ [15]

یاد رہنا چاہئے کہ ہیومن رائٹس فریم ورک کوئی ایسی شے نہیں جو اسلامی تاریخ وعلمیت سے برآمد ہوئی ہو۔ مگر جب ہم ہیومن رائٹس اور جمہوری فریم ورک کی آفاقیت کو قبول کرکے اسلامی تاریخ کو اس پیمانے پر جانچنے اور کسنے کی کوشش کرتے ہیں تو ایک طرف ہم اس کی

www.KitaboSunnat.com

آفاقیت کے دعوے کو تقویت پہنچاتے ہیں اور دوسری طرف ہمیں پیچیدہ مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور نتیجتاً ہم دفاعی پوزیشن اختیار کرکے یا تو اپنی تاریخ کے تسلسل پر سمجھوتہ کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں[۱۸] اور یا پھر بے سروپا تاویلات اختیار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ہیومن رائٹس اور اخلاقیات کا خاتمہ: اس بحث سے واضح ہوجانا چاہئے کہ ہیومن رائٹس کا مطلب درحقیقت اخلاقیات (morality) کا انکار کرنا ہے۔ اخلاقیات اور قدر کے ادراک کے لئے ضروری ہے کہ انسان خواہشات میں ترجیح کا پیمانہ قائم کرسکے یعنی وہ یہ سوال اُٹھا سکے کہ اسے کیا چاہنا چاہئے اور کیا نہیں، کیا اہم ہے اور کیا غیر اہم۔ مگر ہیومن رائٹس فریم ورک کے مطابق یہ سوال کہ انسان کو کس چیز کی خواہش کرنا چاہئے ایک ناقابل تفہیم سوال ہے کیونکہ یہ ہر فرد کے اس حق کو مانتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی جو ترتیب متعین کرنا چاہے کرے نیز یہ خواہشات کی تمام ترجیحات کو مساوی حیثیت دیتا ہے۔ مشہور لبرل فلسفی Rawls کہتا ہے کہ تم جو کچھ بھی چاہتے ہو، وہ ٹھیک ہے یعنی اس بات کو حتمی سمجھو کہ انسان جو چاہتا ہے وہ اس کا مکلّف ہے، اور یہ ممکن ہی نہیں کہ تم کہہ سکو کہ انسان کو کیا چاہنا چاہئے، اور ہر انسان اس چاہنے

---

⑰ اہل مغرب کی ہر نمائندہ اصطلاح کو 'اسلامی' کا سابقہ لگا کر ترویج دینا درحقیقت اسلامی تعلیمات کو مغربی تناظر میں پہچاننے کا نتیجہ ہے اور یہ طرزِ فکر مرعوبیت کے سوا اور کچھ نہیں۔ غور تو کیجئے کہ تحریک تنویر کے آدرشوں پر عمل پیرا ہوکر مغربی اہل علم نے عیسائی علمیت وتہذیبی اداروں کو شکست دی مگر کسی تجدد زدہ مفکر نے کسی نمائندہ عیسائی اصطلاح کو اپنی علمیت میں کوئی جگہ نہ دی۔ اسی طرح استعمار نے مسلمان علاقوں میں خلافت کے ادارے کو ختم کیا تو مسلمان عوام میں اپنی جگہ بنانے کیلئے 'جمہوری خلافت' یا 'مغربی خلافت' جیسی اصطلاحات استعمال نہیں کیں بلکہ ہر جگہ اپنی تہذیبی وعلمی روایت سے برآمد شدہ اصطلاح 'جمہوریت' ہی متعارف کروائی۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہمارے اہل علم میں اتنی علمی جرات بھی نہیں کہ وہ مغرب کی نمائندہ اصطلاحات کو رد کرکے ان کی جگہ اسلامی تصورات کے فروغ پر ہی اِصرار کریں؟ دور جدید کے چند معتزلہ جو دین کی تعبیرِ نو کا شوق رکھتے ہیں، ان کی مرعوبیت کی حالت یہ ہے کہ اسلامی اصطلاح 'فقہ' کے بجائے ہر جگہ 'قانون' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں (مثلاً قانونِ عبادت، قانون معاشرت وغیرہ) حالانکہ لفظ قانون کو تصورِ فقہ کی جامعیت سے ویسی ہی نسبت ہے، جیسے کسی جزو کو کل سے۔

⑱ یہ کہنا کہ 'اسلامی اور مسلمانوں کی تاریخ دو علیحدہ چیزیں ہیں' یا 'تاریخ اسلامی اسلام کے نام پر دھبہ ہے' وغیرہ اسی مرعوبیت کے شاخسانے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

کے حق میں برابر ہے۔ گویا یہ لاعلمی لازم جانو کہ ہمارے پاس ایسی کوئی اطلاع نہیں ہے جو یہ بتائے کہ انسان جو چاہتا ہے، اسے چاہنا چاہئے یا نہیں؟ پس جتنا زیادہ وہ دنیا پر تصرف کرتا ہے اتنی ہی زیادہ آزادی کا وہ مستحق ہوتا چلا جاتا ہے۔ پس فرد اپنی ذاتی زندگی میں جو بھی خواہشات رکھنا چاہے، رکھ سکتا ہے اس تحدید کے ساتھ کہ وہ خواہش اُصول آزادی کو رد نہ کرے۔

پس ہیومن رائٹس کے مطابق اخلاقیات کی بنیاد صرف انسانی خواہشات ہیں، کسی شے کی قدر کا انحصار صرف اس بات پر ہے کہ کوئی انسان اسے کتنی شدت کے ساتھ اختیار کرتا ہے، بقول سارتر ''اہم بات یہ نہیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں بلکہ یہ ہے کہ آپ کیسے چاہتے ہیں۔'' اگر ہنری زنا کرنے سے زیادہ اور کتاب پڑھنے سے کم لذت حاصل کرتا ہے تو وہ زنا کو بدرجہ کتاب، زیادہ قدر دینے کا حقدار ہوگا لیکن اسے بش کا یہ حق تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ کتاب پڑھنے سے حاصل شدہ لذت کو زنا سے حاصل شدہ لذت کے مقابلے میں زیادہ قدر دے سکے۔ تعین قدر کے اس تصور میں ہیومن آزاد ہے کہ وہ قدر کو اپنے ارادہ کے مطابق متعین کرے، لیکن قدر کا تعین اس طریقہ سے کیا جائے گا کہ ہر human being کو قدر کا تعین اپنے ارادے کے مطابق کرنے کا اختیار حاصل ہو۔

واضح رہنا چاہئے کہ نفس لوامہ خواہشات کو صرف احکامِ الٰہی کے سامنے تول کر ہی پرکھ سکتا ہے اور اگر انسان احکاماتِ الٰہی سے انکار کردے تو روح اور نفس کا تعلق کمزور پڑ جاتا ہے اور نفس امارہ نفس لوامہ پر غالب آجاتا ہے۔ مشہور فلسفی ہائیڈیگر کہتا ہے کہ مغربی علمی تناظر میں 'نفس لوامہ کی بحث صرف خاموشی ہے' (discourse of discriminatury self is pure silence)۔ چنانچہ ہیومن رائٹس فریم ورک اختیار کرنے کا واضح مطلب خیر کو فرد کا حق قرار دینا ہے اور ایسا ماننا اثباتِ اخلاقیات کے امکان کو ردّ کرنا ہے۔ اس مقام پر یہ دھوکہ نہیں ہونا چاہئے کہ انکارِ اخلاقیات کا مطلب یہ ہے کہ ہیومن رائٹس کسی ماورائے اخلاق (amoral) نظم اجتماعی کی بنیاد بنتا ہے، بلکہ درحقیقت یہ غیر اخلاقی (immoral) نظم کی تشکیل وفروغ کا باعث بنتا ہے۔

یہ فلسفہ نفس پرستی کے تمام ذلیل ترین مظاہر کو عام کرنے نیز معاشرے میں ان کی اشاعت

www.KitaboSunnat.com

کی اجازت دینے کا دوسرا نام ہے اور اِنہی معنوں میں ہیومن رائٹس فریم ورک ایک ایسے خاص کلچر کو فروغ دیتا ہے جو مذہبی کلچر کی ضد ہوتا ہے۔ بھلا ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی معاشرے یا کلچر میں بیک وقت حیا اور بے حیائی، خدا پرستی اور نفس پرستی، فکرِ آخرت اور فکرِ دنیا، زہد اور حب مال، شوقِ شہادت اور کراہیتِ موت، قناعت اور حرص وغیرہ کی صفات ایک ساتھ پنپ سکیں؟ اخلاقیات کا مطلب صرف اور صرف اُسوہ رسول ﷺ اور شریعت وطریقت اسلامی کا فروغ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہیومن رائٹس ان تمام کی فوقیت کا ردّ ہیں۔ یاد رہے کہ تعلیماتِ انبیاء کے سوا اس کائنات میں ایسا کوئی ذریعہ علم نہیں جس کے ذریعے انسان یہ معلوم کر سکے کہ اسے کیا چاہنا چاہئے اور کیا نہیں، نیز شریعت کے علاوہ کسی خیر اور اخلاقیات کا کوئی جواز سرے سے موجود نہیں۔

خوب اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ ہیومن رائٹس ردّ ہیں:

- حقوق العباد کا
- امکان اخلاقیات کا
- اسلام کے الحق ہونے کا
- امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقتِ حال سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نوٹ:

گذشتہ شمارہ میں اسی مضمون کا ایک صفحہ طباعتی مرحلہ کی کوتاہی سے بالکل الٹ شائع ہوگیا تھا، یعنی صفحہ کا عکس طبع ہوا تھا، اس شمارہ میں اس صفحہ کو سیدھا شائع کیا جارہا ہے، جس کی فوٹو کاپی کر کے سابقہ شمارہ پر چسپاں کیا جاسکتا ہے۔ یا اس شمارہ میں شمارہ ہذا کے صفحہ کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ شکریہ!

مضمون کے صفحہ نمبر ۲ سے (۱) کو مٹا دیں۔

www.KitaboSunnat.com

یادِ رفتگاں

محمد یوسف انور، فیصل آباد

پروفیسر عبدالجبار شاکر کا سانحۂ ارتحال

پچھلے سال مجلس احرار کی آخری نشانی مولانا مجاہد الحسینی نے سیرتِ نبوی ﷺ پر لکھی جانے والی اپنی تازہ تالیف کی تقریبِ رونمائی یہاں ایک ہوٹل میں منعقد کی جس کے مہمانِ خصوصی ہمارے فاضل دوست پروفیسر عبدالجبار شاکر تھے۔ اس خوبصورت تقریب میں ہر طبقہ زندگی سے اہل علم اور ممتاز حضرات مدعو تھے۔ پروفیسر صاحب تشریف لائے اور سیرت پر اپنے مخصوص اُسلوبِ خطابت سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔ ان کے حکمت ودانش بھرے جملے آج بھی کانوں میں رس گھول رہے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ ایک کامل ومکمل معلم کے لئے ذیل کے معیاروں پر اُترنا ضروری ہے:

- اس کی زندگی کا کوئی پہلو پردہ میں نہ ہو۔
- اس کی ہر زبانی تعلیم کے مطابق اس کی عملی مثال بھی سامنے ہو۔
- اس کی اخلاقی زندگی میں یہ جامعیت ہو کہ وہ انسانوں کے ہر کارآمد گروہ کے لئے اپنے اندر اِتباع وپیروی کا سامان رکھتی ہو۔

اُنہوں نے کہا کہ تنقید کے ان معیاروں پر اگر ہم سارے انبیاء اور مذاہب کے بانیوں کی زندگیوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کسی کی زندگی بھی پیغمبر اسلام ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے برابر جامع کمالات نہیں، کوئی پیغمبر یا بانی مذہب ایسا نہیں ہے جس کی زندگی کا ہر پہلو اس طرح ہمارے سامنے بے نقاب ہو کہ گویا وہ خود ہمارے سامنے موجود ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک توراۃ کے ایک ایک پیغمبر پر نگاہ ڈالتے جاؤ، ان کی معصوم زندگی کے حالات کی کتنی سطریں تمہارے سامنے ہیں۔ اُنہوں نے مزید کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تینتیس ۳۳ برس کی زندگی میں سے صرف تین برس کا

www.KitaboSunnat.com

حال ہم کو معلوم ہے۔ان تین برسوں کے حالات میں سے بھی معجزات وخوارق کے سوا کوئی اور حال بہت کم معلوم ہے۔ان انبیا کے علاوہ ہندوستان، ایران اور چین کے بانیانِ مذاہب کی اخلاقی زندگیوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اس کے لئے دنیا میں کوئی سامان ہی موجود نہیں کیونکہ ان کی اخلاقی زندگی کے ہر پہلو پر ناواقفیت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔صرف اور صرف اسلام ہی کے ایک معلم کی زندگی ایسی ہے جس کا حرف حرف دنیا میں محفوظ اور سب کو معلوم ہے اور بقول باسورتھ سمتھ کے کہ ''یہاں (سیرتِ محمدی ﷺ) پورے دن کی روشنی ہے جس میں محمد ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو روزِ روشن کی طرح نمایاں ہے۔''

آنحضرت ﷺ کا یہ حکم کہ میرے ہر قول اور عمل کو ایک دوسرے تک پہنچاؤ۔محرمانِ راز کو اجازت تھی کہ جو مجھے خلوت میں کرتے دیکھو، اس کو جلوت میں برملا بیان کرو۔ جو حجرہ میں کہتے سنو، اس کو چھتوں پر چڑھ کر پکارو: «ألا فليبلِّغ الشاهد الغائب» غرض یہ کہ پروفیسر صاحب سیرت النبی ﷺ کی حیثیت وعظمت پر فصاحت وبلاغت کے دریا بہاتے چلے جا رہے تھے۔تقریب کے اختتام پر ہم نے اکٹھے کھانا کھایا اور کچھ دیر گفتگو اور گپ شپ رہی لیکن کیا معلوم تھا کہ یہ نشست ان سے آخری ملاقات ثابت ہوگی۔

پروفیسر صاحب نے بارہا فیصل آباد میں علمی و ادبی محفلوں سے خطاب کیا جن میں سے زیادہ تر ان سطور کے راقم کی درخواست وفرمائش پر وہ تشریف لائے۔ مدتِ مدید سے ان سے شناسائی اب خاصی دوستی میں تبدیل ہو چکی تھی، فرمایا کرتے کہ مصروفیات کے باوجود میں آپ کو انکار نہیں کرسکتا کیونکہ آپ ہمارے اکابر کی روایات کے امین ہیں۔

پروفیسر صاحب بفضلہٖ جدید وقدیم علوم کے ماہر اور ایک مفکر ومدبر کے طور پر جانے پہچانے جاتے تھے۔عصر حاضر کے تقاضوں اور نت نئے مسائل کا حل وہ قرآن وسنت کی صافی تعلیمات سے واضح فرماتے۔علومِ قرآنیہ اور سنت وسیرتِ نبوی ﷺ پر ان کا گہرا مطالعہ تھا جو ان کی تحریروں، علمی کتب پر تقریظات اور حاشیوں سے نمایاں ہوتا ہے۔ان کے منفرد لہجہ اور طلسماتی مسکراہٹ وخطابت سے سامعین پر ایک چاشنی اور گرویدہ پن طاری ہو جاتا۔ یہ کوئی

www.KitaboSunnat.com

مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ ان کے بیان وکلام میں ذخیرۂ الفاظ کی ایسی فراوانی ہوتی کہ حاضرین عش عش کر اُٹھتے اور بے پناہ داد دیتے۔

اقبالیات کے موضوع پر وہ اہل فکر ودانش میں ایک اتھارٹی سمجھے جاتے۔ آغا شورش کاشمیری کے بعد مجلس اقبال کے روح رواں ہمارے ممدوح پروفیسر عبدالجبار شاکر ہی ہوتے۔ علامہ اقبال کی شاعری وفلسفہ اور فکری آگہی پر ملک اور بیرونِ ملک منعقد ہونے والی مجالس میں ان کی شرکت رہتی۔ یورپ اور مشرقِ وسطیٰ کے ممالک، بھارت وبنگلہ دیش میں عالمی سطح کے سمینارز اور مذاکروں میں اُنہیں ایک منجھے ہوئے، معتدل عالم دین اور سکالر ودانشور کے طور پر مدعو کیا جاتا۔

ان تمام اوصاف وفضیلتوں کے باوجود ان کی طبیعت میں تواضع وانکساری اور سادگی تھی۔ وہ بے حد ملنسار اور اسلامی اخلاق واقدار کے لحاظ سے اُجلی سیرت وصورت کے مالک تھے۔ عالی منصب اور بلند مرتبت ہوتے ہوئے بھی ان سے تصنع وتکلف کو کوئی دخل نہ تھا۔ عام بسوں یا تانگوں رکشوں میں آنے جانے کو عار نہ سمجھتے۔ ان کے ایک بیرونِ ملک کے سفر کا احوال ان کے ہم سفر جناب رانا محمد شفیق خان پسروری نے روز نامہ 'پاکستان' میں ۱۵/ اکتوبر کے اپنے کالم میں خوب ذکر کیا ہے کہ ''وہ ایک مردِ دوریش اور علم وکتابت کے عاشق زار تھے۔ منکسر مزاج، عبادت گزار اور نیک خو انسان تھے۔ مرنجاں مرنج اور خوش گفتار ایسے کہ ان کی تقاریر وخطابت واقعتاً دل کو کھینچنے اور دماغ میں جگہ بنانے والے ہوتے۔'' میرے خیال و وجدان میں بلاشبہ وہ ایک ایسی شخصیت بن چکے تھے جس پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔

پروفیسر صاحب نے جامعہ سلفیہ میں تقریبِ بخاری کے دو تین موقعوں پر حجیتِ حدیث اور محدثین وسلف صالحین کی خدمات پر جو تقاریر کی ہیں، اگر ان کا ریکارڈ ہو تو ان کی اشاعت سے علماء واساتذہ اور طلبہ کی معلومات میں اضافہ ہوسکتا ہے، نیز ایک تاریخی وعلمی دستاویز تیار ہوسکتی ہے۔

پروفیسر صاحب فاضل درسِ نظامی، لاء گریجویٹ اور اقبالیات میں ایم فل تھے۔ وہ مختلف کالجز میں تدریسی خدمات انجام دینے کے علاوہ ایک عرصہ ڈائریکٹر پبلک لائبریریز پنجاب بھی

www.KitaboSunnat.com

رہے۔ اُنہوں نے بہت سی کتب کے دیباچے اور مقدمے لکھے اور بے شمار ٹی وی پروگراموں میں علمی وادبی اور پیچیدہ مسائل کے میزبان اور مہمان کے طور پر شریک رہے۔ زبان وادب پر ان کی مہارت اور ملکہ کو ہر مقام پر سراہا جاتا۔ لاہور میں ملتان روڈ پر منصورہ کے بالمقابل بیت الحکمت کے نام سے وسیع لائبریری قائم کی جس کا شمار ملک کی معروف لائبریریوں میں ہوتا ہے جہاں تفسیر، سیرت، تقابل ادیان، قوانین، علومِ اسلامیہ، اُردو فارسی ادب اور عربی لٹریچر کی ہزارہا کتابیں اور نایاب مخطوطات ومقالات اس لائبریری کی زینت ہیں۔ وہ تعارف کرایا کرتے کہ ان کی لائبریری میں سیرت النبی ﷺ پر سب سے نادر اور بیش قیمت ذخیرہ کتب موجود ہے۔ آج کل وہ فیصل مسجد، اسلام آباد کے مقبول خطیب اور بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی میں الدعوۃ اکیڈمی کے ڈائریکٹر تھے۔

پروفیسر صاحب کا اچانک سانحۂ ارتحال ملک بھر میں بجلی بن کر گرا۔ جامعہ سلفیہ کے پرنسپل جناب محمد یٰسین ظفر نے جب ان کی وفات کی غم ناک خبر سنائی تو چند لمحات سکتہ میں گذرے۔ ماضی قریب میں یکے بعد دیگرے جو علماء وفضلا رحلت کر گئے تھے، ابھی تو ہم ان کی جدائیوں کے زخم سہلا رہے تھے کہ یہ افسوسناک خبر سننے کو ملی۔ بہرحال ہم ربّ العالمین کی رضا پر راضی ہیں۔ اس کے ہر اَمر میں حکمتیں کارفرما ہیں۔ شیخوپورہ میں مرحوم کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، نمازِ جنازہ میں ملکی وملی قائدین، دینی وسیاسی جماعتوں کے سربراہ، وکلا، ہائی کورٹس کے جج حضرات اور علماء وصحافی دیکھنے میں آئے بلکہ تمام طبقہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ ہزاروں کی تعداد میں شامل تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بھرپور دینی وملی اور ملکی خدمات کو قبول ومنظور فرما کر ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے خاندان وحلقہ احباب کو صبر وحوصلہ کی توفیق دے۔ آمین یاربّ العالمین!

www.KitaboSunnat.com

مرتب: محمد شاہد حنیف☆

اشاریہ مجلّہ المیزان اسلام آباد

شمارہ ۱ تا شمارہ ۱۶

مجلّہ المیزان ایک علمی و دینی مجلّہ تھا جو صرف ۱۶ شماروں کے بعد بند ہوگیا۔ اس میں قرآنِ کریم کے علوم و معارف کے حوالے سے بعض نادر اور اہم مضامین شائع ہوئے تھے۔ یہ مجلّہ جناب محمد امین شہیدی نے شروع کیا لیکن مشکل حالات میں آپ اس کی اشاعت جاری نہ رکھ سکے۔ پرچے کے آغاز کے بارے شہیدی صاحب لکھتے ہیں:

عوام الناس کو فکری اور شعوری لحاظ سے کمال کی طرف لے جانا اور اعلیٰ انسانی قدروں سے انھیں آشنا کرنا ہمارے اکثر مسائل کا حل ہے۔ جب لوگوں کو فکر و شعور ملے تو عملی طور پر بھی ان کی روشِ زندگی میں تبدیلی آئے گی اور انسان کی فکری تربیت کے لیے قرآنِ کریم کی آسمانی تعلیمات سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ اسی ضرورت کا احساس تھا کہ اُخوت ٹرسٹ، اسلام آباد نے اپنی بساط اور گنجائش کے مطابق قرآنِ کریم کے علوم و معارف کی ترویج اور اس کے آفاقی پیغام کو عصرِ حاضر کے جاں بلب انسانوں بالخصوص نوجوان نسل تک پہنچانے کے لیے ایک سہ ماہی مجلّہ المیزان کے نام سے نکالنے کا فیصلہ کیا۔''

مجلّہ المیزان کے مدیر اعلیٰ محمد امین شہیدی تھے جب کہ اس کی مجلسِ ادارت میں علامہ محسن علی نجفی، ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک مرحوم، ڈاکٹر محمد طفیل، ڈاکٹر انیس احمد، ابومسعود حسن علوی، حسین عارف نقوی اور ڈاکٹر محمد میاں صدیقی جیسے نامور لوگ شامل تھے۔ درج ذیل اشاریہ میں المیزان میں شائع شدہ ۵۰ مصنّفین کے ۲۰۰ کے قریب مقالات و نگارشات کو مختلف موضوعات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ موضوعاتی اشاریہ کی ہر لائن کو ایک سیریل نمبر لگایا گیا ہے اور انھی نمبروں کے ذریعے مصنف وار اشاریہ بنا دیا گیا ہے۔

موضوعات: ○ وحی اور نزولِ قرآن ○ اعجاز و حفاظتِ قرآن ○ نسخ القرآن ○ تحریفِ قرآن کی حقیقت ○ قصص القرآن ○ فہم القرآن ○ تفسیر و اُصولِ تفسیر ○ تعارفِ تفاسیر ○ تلاوتِ قرآن ○ سائنس اور قرآن ○ علوم و معارفِ قرآن ○ علماء کی قرآنی خدمات ○ مستشرقین اور قرآن ○ کتابیات ○ قرآنی ادارے ○ مجلّہ المیزان اسلام آباد ○ شاعری اور ○ مکتوبات

جیسا کہ قارئین 'محدث' کے علم میں ہے کہ ادارہ ہذا کے شعبۂ رسائل و جرائد میں ملک کے نامور دینی جرائد کے فہارس تیار کئے گئے ہیں اور ان کی تعداد ساٹھ سے زیادہ ہوچکی ہے۔ اسی سلسلے کا تازہ اضافہ مجلّہ المیزان کے اشاریے کی شکل میں ہدیۂ قارئین ہے جسے انچارج شعبہ محمد شاہد حنیف نے تیار کیا ہے۔

☆ انچارج شعبہ رسائل و جرائد، مجلس التحقیق الاسلامی، ۹۹ جے ماڈل ٹاؤن، لاہور

www.KitaboSunnat.com

المیزان کے ۱۶ شمارے جو درحقیقت ۱۳ شمارے ہیں، شائع ہوئے۔ اِن میں شمارہ نمبر ۸+۹، ۱۰+۱۱ اور ۱۴+۱۵ نمبر کی اشاعتیں یکجا شائع ہوئی تھیں۔ اِن شماروں میں صرف دو چار شماروں پر ماہ و سال لکھا جاتا رہا لیکن بعد کے شماروں پر صرف نمبر شمار شائع ہوتا رہا ہے۔ اس لیے اشاریے میں نام مصنف، مضمون کے بعد شمارہ نمبر اور ساتھ ہی صفحات کا اندراج کیا گیا ہے۔ المیزان کے تمام شماروں کی تفصیل درج ذیل ہے:

شمارہ۱: اکتوبر۔دسمبر ۱۹۹۷ء، صفحات: ۱۳۶

شمارہ۲: جنوری۔مارچ ۱۹۹۸ء صفحات: ۱۴۱

شمارہ۳: اپریل۔جون ۱۹۹۸ء، صفحات: ۱۴۱

شمارہ۴: جولائی۔ستمبر ۱۹۹۸ء، صفحات: ۱۴۵

شمارہ۵: .....صفحات: ۱۱۸+۱۷

شمارہ۶: جنوری۔مارچ ۱۹۹۹ء، صفحات: ۱۳۹+۵

شمارہ۷: اپریل۔جون ۱۹۹۹ء، صفحات: ۱۳۸+۱۲

شمارہ۸،۹.....صفحات: ۱۵۹+۵

شمارہ۱۱+۱۰:.....صفحات: ۱۶۰

شمارہ۱۲:.....صفحات: ۱۶۰

شمارہ۱۳:.....صفحات: ۱۷۸

شمارہ۱۴،۱۵:.....صفحات: ۱۸۸

شمارہ۱۶:.....صفحات: ۱۴۰

○ وحی اور نزولِ قرآن

۱: محسن علی نجفی	وحی الٰہی کا ایک جائزہ	2/۳-۱۵
۲: غلام مرتضیٰ ملک	وحی کی حقیقت.....ایک جائزہ	4/۵۷-۶۶
۳: محمد امین شہیدی	وحی کی حقیقت.....ایک مطالعہ	4/۳۷-۵۶
۴: ابومسعود حسن علوی	نزولِ قرآن علی سبعۃ احرف	6/۷۲-۷۸
۵: حسین نصر	قرآنِ مجید اور وحی	12/۱۷-۲۲
۶: حسنین عباس گردیزی	وحی کی حقیقت اور اہمیت، ایک مطالعہ [۳/اقساط]	13/۹۴-۱۰۷، 14/۱۱۳-۱۲۲، 16/۸۳-۹۸
۷: ریحانہ فردوس	قرآن اور حقیقتِ وحی	13/۵۰-۷۰
۸: غلام مرتضیٰ ملک	وحی کی حقیقت.....ایک جائزہ	14/۶۵-۷۳
۹: محمد امین شہیدی	وحی کی حقیقت.....ایک مطالعہ	14/۴۶-۶۴
۱۰: محمود احمد غازی	نزولِ قرآن نجماً نجماً کیوں؟-۱	16/۲۱-۳۳

○ اعجاز وحفاظتِ قرآن

۱۱: حسنین عباس گردیزی	اعجازِ قرآن کے مختلف پہلو [۴/اقساط]	1/۲۲-۳۷، 3/۱۷-۳۰، 4/۶۷-۷۶، 5/۵۳-۶۵
۱۲: محسن علی نجفی	فضیلتِ قرآن	1/۳۸-۵۱

www.KitaboSunnat.com

۱۳: ابومسعود حسن علوی	حروفِ مقطعات کی امتیازی خصوصیات	2/۶۹-۸۹
۱۴: محسن علی نجفی	عصرِ رسول ﷺ میں تدوینِ قرآن [۲/اقساط]	3/۳۸-۵۶، 4/۲۰-۳۶
۱۵: محسن علی نجفی	قرآن ابدی معجزہ	6/۱۳-۱۹
۱۶: مرتضیٰ مطہری	قرآن معجزہ جاوید	8/۳-۱۴
۱۷: اختر رضا کیکوٹی	حفاظتِ قرآن اور اختلافِ قراءات	8/۶۵-۷۴
۱۸: محسن علی نجفی	کتابتِ قرآن پر ایک نظر	8/۱۵-۱۹
۱۹: محمد علی ایازی	قرآن کی خصوصیات [۲/اقساط]	10/۱۰۴-۱۱۰، 12/۸۹-۹۷
۲۰: الٰہی بخش کاندھلوی	فضیلتِ قرآن	12/۷۳-۸۸
۲۱: ظفر الاسلام اصلاحی	کتابتِ قرآن عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان میں [۲/اقساط]	12/۱۳۴-۱۴۶، 13/۱۵۱-۱۶۲
۲۲: احمد سعید	جمع وتدوینِ قرآن	13/۸۵-۹۳

☆☆☆☆

۲۳: محمد عبداللہ صالح (مصر)	قرآنِ کریم میں نظم ومناسبت از ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی	10/۱۵۴-۱۵۸
۲۴: عبیداللہ فراہی (مصر)	تصورِ نظمِ قرآن کا مطالعہ از مستنصر میر	12/۱۴۷-۱۵۷
۲۵: ادارہ (مصر)	البیان فی اعجاز القرآن از صلاح عبدالفتاح الخالدی	16/۱۳۵-۱۳۶

○ نسخ القرآن

۲۶: ادارہ	ناسخ ومنسوخ کے موضوع پر شائع ہونے والی کتب ومقالات [۲/اقساط]	1/۱۰۷-۱۱۶، 2/۱۲۶-۱۳۸
۲۷: محمد میاں صدیقی	قرآنِ حکیم میں ناسخ ومنسوخ	1/۸-۲۱
۲۸: احمد سعید	ناسخ ومنسوخ	8/۴۲-۵۳
۲۹: ریحانہ فردوس	قرآن میں نسخ کا جواز	10/۱۸-۳۱
۳۰: محسن علی نجفی	قرآن میں نسخ.....ایک جائزہ	10/۳-۹
۳۱: احمد حسن	قرآن میں ناسخ ومنسوخ	13/۳۱-۴۹

○ تحریفِ قرآن کی حقیقت

۳۲: ابوالقاسم الخوئی	تحریفِ قرآن کی حقیقت! ایک تنقیدی جائزہ [۴/اقساط]	7/۵۳-۶۴، 8/۷-۸۰، 12/۳-۱۰، 13/۶-۱۹
۳۳: محمد فاضل لنکرانی	عدمِ تحریفِ قرآن-۱	16/۶۳-۸۲

www.KitaboSunnat.com

○ قصص القرآن

۳۴: غلام مرتضیٰ ملک	سورۃ بنی اسرائیل کے اہم موضوعات	3/۷۲-۸۶
۳۵: رضی الاسلام ندوی	اُسوۂ ابراہیمی [قرآن کے آئینے میں]	13/۱۲۰-۱۳۰
۳۶: ابومسعود حسن علوی	داستانِ یوسف علیہ السلام، سبق آموز پہلو [۲/اقساط]	3/۳۱-۳۷، 4/۸۸-۹۶
۳۷: حسنین عباس گردیزی	قصص القرآن	6/۹۵-۱۰۳
۳۸: حسنین عباس گردیزی	قصص القرآن کے مقاصد [۲/اقساط]	8/۱۱۷-۱۲۶، 10/۱۱۹-۱۲۶
۳۹: حسنین عباس گردیزی	عروج وزوالِ اُمت، قرآن کی روشنی میں	10/۹۱-۱۰۳

○ فہم القرآن

۴۰: علی نقی	قرآن فہمی مشکل ہے یا آسان	8/۲۰-۴۲
۴۱: محمد حسین نیلوی	فہم قرآن سے متعلق چند اہم قوانین	10/۱۱۱-۱۱۸
۴۲: محمد اسلم اصلاحی	فہم قرآن اور اتحادِ اُمت	16/۴۷-۵۶

○ تفسیر واُصولِ تفسیر

۴۳: علی نصیری	آیۃ نَفَر، تحقیق کے آئینے میں [۲/اقساط]	5/۶۶-۷۴، 6/۸۶-۹۴
۴۴: غلام مرتضیٰ ملک	سورۃ لقمان کے اہم موضوعات	5/۳-۹
۴۵: مجلس تفسیر القرآن	تفسیر وتاویلِ قرآن [۲/اقساط]	3/۳-۱۶، 4/۳-۱۹
۴۵a: غلام مرتضیٰ ملک	سورۃ یٰسین کی منتخب آیات کی تفسیر	6/۳-۱۲
۴۶: جعفر سبحانی	قرآن کی تفسیر کا صحیح طریقہ	6/۳۴-۶۰
۴۷: نیاز مند	تفسیرِ قرآن اور علوم جدید [۲/اقساط]	7/۱۸-۳۲، 8/۱۰۲-۱۱۶
۴۸: احمد سعید	تفسیر اور تاویل کا مفہوم اور باہمی فرق	10/۱۰-۱۷
۴۹: محمد فاضل لنکرانی	اُصولِ تفسیر [۲/اقساط]	13/۷۱-۸۴، 14/۲۴-۳۱
۵۰: شکیل اوج	مفہوم وَلَایَت: مختلف تراجم وتفاسیر کی روشنی میں	14/۱۲۳-۱۳۰
۵۱: محمد رضا حکیمی	قلبِ قرآن .....سورۃ یٰسین	16/۱۷-۲۰
۵۱a: عبداللہ انصاری	تفسیر سورۃ حمد [الفاتحہ]	16/۷-۱۶

☆☆☆☆

۵۲: ثاقب اکبر (مصر)	ترجمۂ قرآن از علامہ شیخ محسن علی نجفی	10/۱۵۱-۱۵۳

www.KitaboSunnat.com

○ تعارفِ تفاسیر

۵۳: محمد طفیل	ملاجیون کی التفسیرات الأحمدیة	1/ ۱۱۷-۱۳۳
۵۴: محمد طفیل	قرآنِ کریم کی بے نقط تفسیر سواطع الإلهام	2/ ۱۰۳-۱۱۴
۵۵: محمد میاں صدیقی	قدیم فقہی تفسیر أحکام القرآن از ابوبکر احمد بن علی الرازی	2/ ۹۰-۱۰۲
۵۶: محمد سعد صدیقی	تفسیر معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی	3/ ۱۰۶-۱۱۳
۵۷: زیتون بی بی	تفسیر عثماني از علامہ شبیر احمد عثمانی	4/ ۱۱۵-۱۳۱
۵۸: محمد طفیل	تفسیر بیضاوي پر حاشیہ سیالکوٹی [ملا عبدالحکیم سیالکوٹی]	4/ ۱۰۷-۱۱۴
۵۹: سجاد تتر الوی	تفسیر تدبر قرآن از مولانا امین احسن اصلاحی	5/ ۸۲-۹۲
۶۱: کبیر احمد جائسی	تفسیر کشف الأسرار وعدة الأبرار [چھٹی صدی کی ایک اہم تفسیر]	6/ ۱۱۵-۱۳۴
۶۲: محمد علی توحیدی	شہرہ آفاق تفسیر المیزان از محمد حسین طباطبائی	7/ ۱۱۲-۱۲۹
۶۳: غزل کاشمیری	تفسیر کبیر از امام رازی.....روش اور منہج ایک جائزہ	8/ ۱۳۱-۱۴۹
۶۴: غلام مرتضیٰ ملک	سورۃ الشوریٰ کی منتخب آیات کی تفسیر	8/ ۵۴-۶۴
۶۵: ہمایوں عباس شمس	تفسیر ضیاء القرآن از جسٹس پیر کرم شاہ الازہری	8/ ۱۵۰-۱۵۹
۶۶: سالم قدوائی	تفسیر ملتقط از سید محمد حسن	10/ ۱۴۶-۱۵۰
۶۹: سالم قدوائی	تفسیر منبع عیون المعانی ومطلع شموس المثانی از شیخ مبارک بن خضر ناگوری	12/ ۱۰۲-۱۰۶
۷۰: سالم قدوائی	تفسیر محمدی از حسن محمد بن میاں جیو احمد آبادی [م ۹۸۲ھ]	13/ ۱۳۶-۱۳۹
۷۱: غزل کاشمیری	بیان القرآن اور تفہیم القرآن کے اُردو تراجم قرآن کا تقابلی جائزہ	14/ ۱۳۱-۱۵۱
۷۲: ادارہ	البیان في تفسیر القرآن از شیخ الطائفہ ابی جعفر محمد بن الحسن طوسی	14/ ۱۵۲-۱۵۷
۷۳: اکبر ملک	تفسیر ابن کثیر: منہج اور خصوصیات	14/ ۱۵۸-۱۸۰
۷۴: جمیل نقوی	برصغیر پاک وہند میں تفسیر نگاری کی مختصر تاریخ	14/ ۱۸۱-۱۸۸

☆☆☆☆

۷۶: محمد علی ایازی (مبصر)	تفسیر الصراط المستقیم از علامہ سید محمد حسین بروجردی	16/ ۱۳۷
۷۷: ادارہ (مبصر)	المحاضرات في تفسیر القرآن از آیت اللہ سید اسماعیل صدر	16/ ۱۳۸-۱۴۰

☆☆☆☆ مزید دیکھیے علماء کی قرآنی خدمات

www.KitaboSunnat.com

تلاوتِ قرآن

۷۸: غلام مرتضیٰ ملک	تلاوتِ قرآن [۲/اقساط]	1/ ۷۷-۸۶، 2/ ۱۶-۲۷
۷۹: علی نقی	قرأے سبعہ اور سبعہ احرف	5/ ۷۵-۷۶
۸۰: العظمی الخوئی	تلاوتِ قرآن کے آداب اور اس کا ثواب	14/ ۸-۲۳
۸۱: اسماعیل سعد	حفظِ قرآن	16/ ۵۷-۶۲

سائنس اور قرآن

۸۲: دی اکیڈمی کمپیوٹرز	انٹرنیٹ پر قرآنی مواد	1/ ۳۵-۳۷
۸۳: دی اکیڈمی کمپیوٹرز	انٹرنیٹ پر قرآنی معارف	2/ ۱۱۹-۱۲۲
۸۴: امتیاز علی	قرآنی سوفٹ ویئرز کا تعارف	3/ ۱۳۶-۱۳۸
۸۵: امتیاز علی	قرآنی سوفٹ ویئر.....'ہدیٰ'	4/ ۱۳۷-۱۴۳
۸۶: محسن علی نجفی	قرآن اور سائنس	5/ ۴۰-۵۲
۸۷: امتیاز علی	انٹرنیٹ پر تجوید القرآن	5/ ۱۱۳-۱۱۷
۸۸: مظہر محمود قریشی	قرآن اور سائنس	7/ ۱۰۰-۱۱۱
۸۹: امتیاز علی	انٹرنیٹ پر موضوعاتی اعتبار سے قرآنی آیات کی تلاش	7/ ۱۳۰-۱۳۵
۹۰: محمد سعود	سائنسی تحقیقات کے لیے قرآنی محرکات	12/ ۱۱۶-۱۳۳
۹۱: محمد سہیلی پور	قرآنی سافٹ ویئرز کا ایک جائزہ [۲/اقساط]	12/ ۱۰۷-۱۱۵، 13/ ۱۴۰-۱۵۰

علوم ومعارفِ قرآن

۹۲: ابومسعود حسن علوی	قرآنِ کریم اور زبانِ عربی	1/ ۵۲-۶۳
۹۳: امتیاز علی	قرآن میں یہودیوں کے عملی انحرافات	1/ ۸۷-۹۶
۹۴: ثاقب اکبر	آیتِ تطہیر، ایک تحقیقی جائزہ [اہلِ بیت کے بارے میں آیات/۲/اقساط]	1/ ۶۴-۷۶، 2/ ۴۴-۵۶
۹۵: محمد امین شہیدی	قرآن اور ہدایتِ بشری [۲/اقساط]	1/ ۹۷-۱۰۶، 2/ ۵۷-۶۸
۹۶: ثاقب اکبر	قرآنی تعلیمات کی عقلی بنیادیں	3/ ۹۶-۱۰۵
۹۷: فدا حسین بخاری	قرآن کی نظر میں مسجد کا کردار [۲/اقساط]	3/ ۸۷-۹۵، 4/ ۹۷-۱۰۶

www.KitaboSunnat.com

۹۸: ثاقب اکبر	دل کی حقیقت، قرآن کی نظر میں	4/۷۷-۸۷
۹۹: انیس احمد	The Qur'an and the culture of knowledge	5/1-18
۱۰۰: تصور جوادی	قرآن کتابِ ہدایت	5/۷۷-۸۱
۱۰۱: علی ربانی گلپایگانی	قرآن اور فطری معرفت [۲/اقساط]	5/۲۲-۳۹، 6/۶۱-۷۱
۱۰۲: محمود رامیار	قرآن میں نقطے اور حرکات [۲/اقساط]	5/۱۰-۲۱، 6/۷۹-۸۵
۱۰۳: انیس احمد	How to benefit from the Qur'an.....	6/1-5
۱۰۴: ثاقب اکبر	ترقی و پیش رفت [قرآنی تعلیمات کی روشنی میں]	6/۱۰۴-۱۱۴
۱۰۵: ظفر علی قریشی	قرآن کی نظر میں سنت کی حیثیت	6/۲۰-۳۳
۱۰۶: احمد دیدات	Al Qur'an; the Miracle of Miracle	7/6-11
۱۰۷: عبدالرحمٰن	Memorizing the Qur'an	7/1-5
۱۰۸: فدا حسین بخاری	اسماء وصفاتِ قرآن [۲/اقساط]	7/۳۳-۴۵، 8/۸۸-۹۸
۱۰۹: گل رحیم جوہر	قرآن کی نظر میں مشورے کی اہمیت	7/۴۶-۵۲
۱۱۰: محسن علی نجفی	قرآن اور دعوتِ فکر	7/۳-۸
۱۱۱: نذیر کاکاخیل	مسلم اُمت کا قرآنی تصور	7/۹-۱۷
۱۱۲: ریحانہ فردوس	Abrogation in the Qur'an	8/1-4
۱۱۳: احمد سعید	محکمات اور متشابہات	10/۴۸-۵۵
۱۱۴: اسرار احمد	قرآن کا بنیادی موضوع	10/۶۶-۶۹
۱۱۵: محمد تقی مصباح	قرآنی معارف کی نظم وترتیب	10/۵۶-۶۵
۱۱۶: محمد حسنین نقوی	مذہبی رواداری، قرآنِ حکیم کی روشنی میں [۳/اقساط]	10/۷۶-۹۰، 12/۵۲-۶۱، 13/۱۰۸-۱۱۹
۱۱۷: محمد طفیل	قرآن حکیم کی آیاتِ حلت وحرمت	10/۷۰-۷۵
۱۱۸: محمد علی ایازی	آیات الاحکام میں امثال کی حیثیت [۲/اقساط]	10/۳۲-۴۷، 12/۱۱-۱۶
۱۱۸a: حسنین عباس گردیزی	عروج وزوالِ اُمت، قرآن کی روشنی میں	10/۹۱-۱۰۳
۶۸: محمد اسلم اصلاحی	فہم قرآن اور اتحادِ اُمت	16/۴۷-۵۶
۱۱۹: رحمت علی، چودھری	اُمتِ مسلمہ کی زبوں حالی قرآنِ حکیم کی روشنی میں	12/۶۲-۷۲
۱۲۰: محمد تقی مصباح	قرآن میں غور وفکر کا حکم	12/۳۹-۴۳

www.KitaboSunnat.com

۱۲۱: محمد ہادی معرفت	زبانِ قرآن کی شناخت [۳/اقساط]	12/۲۳-۳۸، 13/۲۰-۳۰، 14/۹۰-۹۷
۱۲۲: عبدالوہاب طالقانی	علوم قرآن	14/۹۸-۱۱۲
۱۲۳: محمود احمد غازی	قرآنِ مجید کے ناموں کی معنویت	14/۳۵-۴۵
۱۲۴: راشد خلیفہ	قرآنِ کریم.....ایک ریاضیاتی جائزہ [تعدادِ حروف، سورۃ وغیرہ]	16/۴۲-۴۶
۱۲۴a: محمد اسلم اصلاحی	فہم قرآن اور اتحادِ اُمت	16/۴۷-۵۶
۱۲۵: محمد عبداللہ	فواتح وخواتم سور القرآن، ایک جائزہ [حروفِ مقطعات وغیرہ]	16/۹۹-۱۱۷

علماء کی قرآنی خدمات

۱۲۶: ضرغام الطاف	تدبرِ قرآن کا کہنہ سال مدیر [امین احسن اصلاحی] رخصت ہوا	2/۱۱۵-۱۱۸
۱۲۷: ضرغام الطاف	خادمِ قرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری	3/۱۳۳-۱۳۵
۱۲۸: علی ذوعلم	محکماتِ قرآنی اور اقبال	3/۵۷-۷۱
۱۲۹: علی عباس بخاری	قرآنِ کریم کا زندہ معجزہ ''سید محمد حسین طباطبائی''	3/۱۱۴-۱۳۲
۱۳۰: کوثر عباس حیدری	آہ! قاری خوشی محمد الازہری	4/۱۳۳-۱۳۶
۱۳۱: ثاقب اکبر	فرزندِ قرآن 'اُستاد مرتضیٰ مطہری'	5/۹۳-۱۰۹
۱۳۲: ابومسعود حسن علوی	خودنوشت سوانح	10/۱۲۷-۱۳۰
۱۳۳: صلاح الدین ثانی	مولانا محمد احمد اور ان کی قرآنی خدمات	10/۱۳۱-۱۴۵
۱۳۴: عون علی جاڑوی	علامہ حسین بخش جاڑا	12/۹۸-۱۰۱
۱۳۵: لبنیٰ فروغ	علامہ فروغ احمد مرحوم	13/۱۳۱-۱۳۵
۱۳۶: ابوسفیان اصلاحی	مبادیِ تدبر قرآن [از اصلاحی] کا جائزہ [تدبرِ قرآن کے اُصول/۲/اقساط]	14/۷۴-۸۹، 16/۱۱۸-۱۳۴

☆☆☆☆ مزید دیکھیے تعارفِ تفاسیر

مستشرقین اور قرآن

۱۳۷: ثاقب اکبر	افسانۂ غرانیق [مستشرقین کے اعتراضات/۳/اقساط]	7/۸۹-۹۹، 8/۸۱-۸۷، 12/۴۴-۵۱
۱۳۸: محمد عبداللہ صالح	مستشرقین اور نظمِ قرآنِ حکیم	7/۶۵-۸۶
۱۳۹: الفرقان، لکھنؤ	قرآن کی تعلیمات، ایک غیر مسلم کی نظر میں	8/۹۹-۱۰۱
۱۴۰: مصطفیٰ الاعظمی	مستشرقین اور قرآنِ کریم-۱	16/۳۴-۴۱

www.KitaboSunnat.com

کتابیات

۱۴۱: ادارہ — ناسخ ومنسوخ کے موضوع پر شائع ہونے والی کتب ومقالات [۲/اقساط] — 1/۱۰۷-۱۱۶، 2/۱۲۶-۱۳۸

۱۴۲: حسین عارف نقوی — شیعیت کے حوالے سے 'برصغیر میں مطالعۂ قرآن' [کتابیات] — 2/۲۸-۴۳

۱۴۳: حسین عارف نقوی — پاکستانی رسائل کے 'قرآن نمبرز' — 13/۱۶۳-۱۷۷

قرآنی ادارے

۱۴۴: ادارہ — قرآن پروجیکٹر شو (انٹرنیشنل قرآن سیشن) برطانیہ [قرآن سوسائٹی، لاہور] — 1/۱۳۴-۱۳۶

۱۴۵: فدا حسین بخاری — قرآن آسان تحریک، لاہور — 2/۱۲۳-۱۲۵

۱۴۶: محمد بلال — قرآن انسٹی ٹیوٹ، اسلام آباد — 3/۱۳۹-۱۴۱

۱۴۷: مزمل حسین — اسلامک ریسرچ اکیڈمی، راولپنڈی — 4/۱۴۴-۱۴۵

۱۴۸: فدا حسین بخاری — ادارہ علوم قرآن: پوسٹ بکس نمبر ۹۹ سرسید نگر، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲ — 5/۱۱۰-۱۱۲

۱۴۹: ادارہ — پیغام قرآن اوپن اکیڈمی، ٹل ضلع ہنگو، سرحد — 6/۱۳۸-۱۳۹

۱۵۰: فدا حسین بخاری — مصباح القرآن ٹرسٹ: الفضل مارکیٹ، اُردو بازار لاہور — 6/۱۳۵-۱۳۷

۱۵۱: ریاض حسن صفوی — انٹرنیشنل قرآن اکیڈمی، 25-B/1 سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی — 8/۱۲۷-۱۳۰

مجلّہ المیزان اسلام آباد

۱۵۲: محمد امین شہیدی — افتتاحِ کلام 'مجلّہ المیزان کی اشاعت' [اداریہ] — 1/۲-۷

۱۵۳: محمد امین شہیدی — افتتاحِ کلام [اداریے] — 2/۱-۲، 3/۱-۲، 4/۱-۲، 5/۱-۲، 6/۱-۲، 7/۱-۲، 8/۱-۲، 10/۱-۲، 12/۱-۲، 13/۴-۵، 14/۴-۵، 16/۴-۶

۱۵۴: محمد امین شہیدی — فہرست مقالات [المیزان کے گذشتہ ۴ شماروں کی فہرست] — 5/۱۱۸-۱۲۰

۱۵۵: ادارہ — Notification of Govt Punjab for *Al-Meezan* — 7/12

شاعری

۱۵۶: ماہر القادری — قرآن کی فریاد [نظم] — 4/۱۳۲

مکتوبات

۱۵۷: اخلاق احمد اخلاق — 2/۱۴۱

۱۵۸: اخلاق حسین شیرازی — 10/۱۶۰

۱۵۹: اسد عباس ہمدانی — 10/۱۶۰

۱۶۰: افتخار عارف — 10/۱۵۹

www.KitaboSunnat.com

۱۶۱: اُلفت جعفری	7/ ۱۳۷	۱۶۲: انصارالدین مدنی	10/ ۱۶۰
۱۶۳: بشیر احمد	5/ ۱۲۲	۱۶۴: بلال حسین نوشاہی	12/ ۱۵۸
۱۶۵: تصور علی نقوی	2/ ۱۴۰	۱۶۶: جعفر حیدری	2/ ۱۴۱
۱۶۷: جمیل احمد رضوی	7/ ۱۳۶	۱۶۸: جواد حسین نقوی	5/ ۱۲۲
۱۶۹: خرم مجید	7/ ۱۳۷	۱۷۰: ریاض حسین نجفی	5/ ۱۲۳
۱۷۱: سجاد تترالوی	2/ ۱۴۱، 5/ ۱۲۱، 12/ ۱۵۸	۱۷۲: سرور اعوان	2/ ۱۴۱
۱۷۳: شبیر حسین کاظمی	10/ ۱۶۰	۱۷۴: شفیق احمد ترمذی	7/ ۱۳۸
۱۷۵: شیر جان، سیّد	10/ ۱۶۰	۱۷۶: شیر محمد زمان	2/ ۱۴۰، 12/ ۱۵۹
۱۷۷: صلاح الدین ثانی	10/ ۱۵۹	۱۷۸: طاہر رضا، راجا	5/ ۱۲۲
۱۷۹: ظفر الاسلام اصلاحی	5/ ۱۲۱	۱۸۰: ظفر علی قریشی	5/ ۱۲۱
۱۸۱: عامر حمید	7/ ۱۳۶	۱۸۲: عبدالستار غوری	5/ ۱۲۱
۱۸۳: عدنان صابر	2/ ۱۴۰	۱۸۴: علی اکبر رضوی	5/ ۱۲۲
۱۸۵: غزل کاشمیری	10/ ۱۵۹	۱۸۶: غلام حیدر نظامی	5/ ۱۲۲
۱۸۷: گل رحیم جوہر	10/ ۱۵۹	۱۸۸: لیاقت علی، سیّد	7/ ۱۳۸
۱۸۹: محمد عبداللہ صالح	7/ ۱۳۷	۱۹۰: محمد یامین	10/ ۱۶۰
۱۹۱: محی الدین کاظم	2/ ۱۴۱	۱۹۲: مزمل حسین	12/ ۱۶۰
۱۹۳: نعیم ہاشمی	2/ ۱۴۱	۱۹۴: وقار حسین کاظمی	10/ ۱۵۹

❀.....❀.....❀.....❀

مصنف وار اِشاریہ

ابوالقاسم الخوئی: ۳۲	ابوسفیان اصلاحی: ۱۳۶	ابومسعود حسن علوی: ۴، ۱۳، ۹۲، ۳۶، ۱۳۲
احمد حسن: ۳۱	احمد دیدات: ۱۰۶	احمد سعید: ۲۲، ۲۸، ۴۸، ۱۳۰
اختر رضا کیکوٹی: ۱۷	اخلاق احمد اخلاق: ۱۵۷	اخلاق حسین شیرازی: ۱۵۸
ادارہ: ۲۶، ۷۲، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۹، ۱۵۵	ادارہ (مبصر): ۲۵، ۷۷	اسد عباس ہمدانی: ۱۵۹
اسرار احمد: ۱۱۴	اسماعیل سعد: ۸۱	اسماعیل صدر (مصنف کتاب): ۷۷

www.KitaboSunnat.com

افتخار عارف: ۱۶۰
اکبر ملک: ۷۳
العظمی الخوئی: ۸۰
الفرقان، لکھنؤ: ۱۳۹
الٰہی بخش کاندھلوی: ۲۰
امتیاز علی: ۸۴، ۸۵، ۸۷، ۸۹، ۹۳
انصار الدین مدنی: ۱۶۲
انیس احمد: ۹۹، ۱۰۳
اُلفت جعفری: ۱۶۱
بشیر احمد: ۱۶۳
بلال حسین نوشاہی: ۱۶۴
تصور جوادی: ۱۰۰
تصور علی نقوی: ۱۶۵
ثاقب اکبر: ۹۴، ۹۶، ۹۸، ۱۰۴، ۱۳۱، ۱۳۷
ثاقب اکبر (مبصر): ۵۴
جعفر حیدری: ۱۶۶
جعفر سبحانی: ۴۶
جمیل احمد رضوی: ۱۶۷
جمیل نقوی: ۴۷
جواد حسین نقوی: ۱۶۸
حسنین عباس گردیزی: ۶، ۱۱، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۱۱۸a
حسین عارف نقوی: ۱۴۲، ۱۴۳
حسین نصر: ۵
خرم مجید: ۱۶۹
دی اکیڈمی کمپیوٹرز: ۸۲، ۸۳
راشد خلیفہ: ۱۲۴
رحمت علی، چودھری: ۱۱۹
رضی الاسلام ندوی: ۳۵
ریاض حسن صفوی: ۱۵۱
ریاض حسین نجفی: ۱۷۰
ریحانہ فردوس: ۷، ۲۹، ۱۱۲
زیتون بی بی: ۵۷
سالم قدوائی: ۶۶، ۶۹، ۷۰
سجاد تترالوی: ۵۹، ۱۷۱
سرور اعوان: ۱۷۲
شبیر حسین کاظمی: ۱۷۳
شفیق احمد ترمذی: ۱۷۴
شکیل اوج: ۵۰
شیر جان، سیّد: ۱۷۵
شیر محمد زمان: ۱۷۶
صلاح الدین ثانی: ۱۳۳، ۱۷۷
صلاح عبدالفتاح الخالدی (مصنف کتاب): ۲۵
ضرغام الطاف: ۱۲۶، ۱۲۷
طاہر رضا، راجا: ۱۷۸
ظفر الاسلام اصلاحی: ۲۱، ۱۷۹
ظفر علی قریشی: ۱۰۵، ۱۸۰
عامر حمید: ۱۸۱
عبدالرحمٰن: ۱۰۷
عبدالستار غوری: ۱۸۲
عبداللہ انصاری: ۱۵a
عبدالوہاب طالقانی: ۱۲۲
عبیداللہ فراہی (مبصر): ۲۴
عبیداللہ فہد فلاحی (مصنف کتاب): ۲۳
عدنان صابر: ۱۸۳
علی اکبر رضوی: ۱۸۴
علی ذوعلم: ۱۲۸
علی ربانی گلپایگانی: ۱۰۱
علی عباس بخاری: ۱۲۹
علی نصیری: ۴۳
علی نقی: ۴۰، ۷۹
عون علی جاڑوی: ۱۳۴
غزل کاشمیری: ۶۳، ۷۱، ۱۸۵
غلام حیدر نظامی: ۱۸۶
غلام مرتضیٰ ملک: ۲، ۸، ۳۴، ۴۴، ۴۵a، ۶۴، ۷۸
فدا حسین بخاری: ۹۷، ۱۰۸، ۱۴۵، ۱۴۸، ۱۵۰
کبیر احمد جائسی: ۶۱
کوثر عباس حیدری: ۱۳۰
گل رحیم جوہر: ۱۰۹، ۱۸۷
لبنیٰ فروغ: ۱۳۵
لیاقت علی، سیّد: ۱۸۸
ماہر القادری: ۱۵۶
مجلس تفسیر القرآن: ۴۵
محسن علی نجفی: ۱، ۱۲، ۱۴، ۱۵، ۱۸، ۳۰، ۸۶، ۱۱۰
محسن علی نجفی (مصنف کتاب): ۵۲
محمد اسلم اصلاحی: ۴۲، ۱۲۴a

www.KitaboSunnat.com

محمد امین شہیدی: ۳، ۹۵، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴
محمد بلال: ۱۴۶
محمد تقی مصباح: ۱۱۵، ۱۲۰
محمد حسنین نقوی: ۴۱، ۱۱۶
محمد حسین بروجردی (مصنف کتاب): ۷۶
محمد رضا حکمی: ۵۱
محمد سعد صدیقی: ۵۶
محمد سعود: ۹۰
محمد سہیلی پور: ۹۱
محمد طفیل: ۵۳، ۵۴، ۵۸، ۱۱۷
محمد عبداللہ: ۱۲۵
محمد عبداللہ صالح: ۱۳۸، ۱۸۹
محمد عبداللہ صالح (مبصر): ۲۳
محمد علی ایازی: ۱۹، ۱۱۸
محمد علی ایازی (مبصر): ۷۶
محمد علی توحیدی: ۶۲
محمد فاضل لنکرانی: ۳۳، ۴۹
محمد میاں صدیقی: ۲۷، ۵۵
محمد ھادی معرفت: ۱۲۱
محمد یامین: ۱۹۰
محمود احمد غازی: ۱۰، ۱۲۳
محمود رامیار: ۱۰۲
محی الدین کاظم: ۱۹۱
مرتضیٰ مطہری: ۱۶
مزمل حسین: ۱۴۷، ۱۹۲
مستنصر میر (مصنف کتاب): ۲۴
مصطفیٰ الاعظمی: ۱۴۰
مظہر محمود قریشی: ۸۸
نذیر کاخیل: ۱۱۱
نعیم ہاشمی: ۱۹۳
نیاز مند: ۴۷
وقار حسین کاظمی: ۱۹۴
ہمایوں عباس شمس: ۶۵

www.KitaboSunnat.com

LRL No. 183
Vol.41 N011
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

☜ عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
لیکن تعصّبات سے بالا تر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے ——— زرِ سالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700